طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعٰى لِلّٰهِ دَاعِ

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

”چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا ہم پر، وداع کی چوٹیوں سے (مدینے کے جنوب سے) واجب ہے ہم پر شکر اس دعوت و تعلیم کا، جس کی طرف یہ داعی ہمیں دعوت دے رہا ہے، اے ہماری طرف بھیجے جانے والے رسول ﷺ! جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں اس کی اطاعت کرنا ہی ہے۔“

مسجد نبویؐ کی تعمیر کا ایمان افروز منظر

مدینے میں قیام کے بعد آپ ﷺ کو سب سے بڑی فکر اس بات کی تھی کہ اس بستی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر ہو جائے۔ قیام گاہ کے قریب ہی ایک زمین تھی، مسجد کے لیے یہ زمین آپ ﷺ کو پسند آ گئی معلوم ہوا کہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی تربیت اور نگرانی میں دو یتیم بچے ہیں انہی کی یہ زمین ہے، آپ ﷺ نے ان کو بلایا، سہل اور سہیل اپنی خوش نصیبی پر فخر کرتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے زمین کی قیمت معلوم کی، سہل اور سہیل انکار کرتے رہے، اور کہتے رہے یا رسول اللہ ﷺ! اس سے بڑی خوش نصیبی ہماری کیا ہوگی کہ ہماری زمین آپ ﷺ ایک اللہ کی عبادت کا گھر بنانے کے لیے قبول فرمالیں، ہم قیمت تو لینا چاہتے ہیں، مگر اللہ کے رسول ﷺ سے نہیں اللہ سے لینا چاہتے ہیں۔ اللہ سے تو ان خوش نصیبوں کو قیمت ملے گی ہی اور اس قیمت کا اندازہ ممکن ہی نہیں مگر یہاں اللہ کے رسول ﷺ نے بھی انہیں اس زمین کی قیمت دی اور مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر شروع ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوش و خروش کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ انصار بھی اور مہاجرین بھی، کوئی اینٹ پتھر ڈھو رہا تھا، کوئی گارا دے رہا تھا، کوئی دیوار چن رہا تھا، کوئی پانی لا رہا تھا اور جوش میں یہ سارے خوش نصیب معمار یہ رجز گا رہے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةَ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجَرَةَ

''اے اللہ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے، اے اللہ تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔''

اللہ کے رسول ﷺ بھی ان کی آواز میں آواز ملاتے اور ان کے جوش عمل میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا۔ اور جب انصار دیکھتے کہ دو عالم کے سردار اللہ کے حبیب ﷺ بھی مزدوروں کے لباس میں اینٹ پتھر ڈھو رہے ہیں تو ان کے جذبات کا عجیب عالم ہوتا اور فرطِ جوش میں یہ شعر گانے لگتے۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلِّلُ

''اگر ہم بیٹھے رہیں اور اللہ کے نبی ﷺ کام کرتے رہیں تو ہمارا یہ رویہ انتہائی گمراہ کن ہوگا۔''

مسجد تعمیر ہوگئی۔ کچی دیواریں جو آٹھ نو ہاتھ سے زیادہ اونچی نہ تھیں اٹھا دی گئیں ان پر کھجور کے پتوں کی چھت بچھا دی گئی۔ چھت ایسی کہ بارش ہوتی تو پانی ٹپکتا، اور مسجد میں کیچڑ ہو جاتا مگر اس کچی مسجد کے نمازی پکے تھے، اور اس چھوٹی سی مسجد کے امام، امام المرسلین ﷺ تھے۔ یہی وہ مسجد ہے جس میں دس سال تک اللہ کے رسول ﷺ نے نماز پڑھائی، یہی وہ مسجد ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے (اسی مقام کو ریاضہ الجنہ کہتے ہیں)، اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے۔'' [بخاری، مسلم]۔ نیز فرمایا: جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقتوں کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو اس کے لیے جہنم کی آگ اور عذاب سے براءت لکھ دی گئی اور اسی طرح نفاق سے بھی براءت لکھ دی گئی۔'' [ترغیب]

اور یہ بھی فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔'' [مسلم]

فہرست

اداریہ

وہی تشنگی دل کی

حافظ احمد شاکر

اخبارات کے ذریعے علم ہوا کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے عہدے داران اپنی مدت پوری کر چکے ہیں اب ۲۶ فروری ۲۰۱۱ء کو سیالکوٹ میں نئے انتخابات ہو رہے ہیں اور اخبارات کے ذریعے ہی علم ہوا کہ مغربی جمہوریت کی ''برکت'' سے انتخابات میں مقابلہ بھی ہو رہا ہے کہ موجودہ امیر صاحب کے مقابلہ میں امارت کے ایک اور امیدوار اور اسی طرح دوسرے عہدیداران کے مقابلہ میں بھی امیدوار میدان میں آ گئے ہیں۔

دل چاہتا ہے کہ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے مقاصد اور اہداف اگر ایک بار پھر قارئین الاعتصام کے باصرہ نواز کر دیئے جائیں تو انشاء اللہ ''ان کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔''

ریکارڈ یا یادداشت کے مطابق مرکزی جمعیۃ کے اہداف کی روح درج ذیل امور ہی تھے:

①......ملک بھر میں بکھرے یا پھیلے ہوئے احباب جماعت کو ایک نظم سے مربوط کرنا اور تنظیم کا ان سے مستقل رابطہ رکھنا۔

②......مسلک حقہ اہلحدیث مثبت انداز میں دعوت تقریر و تحریر کے ذریعہ حتی الامکان پھیلانا۔

③......ملک عزیز میں عملاً شریک سیاست ہونے کی بجائے مقامی احوال وظروف کو مدنظر رکھتے ہوئے تعاون علی البر اور عدم تعاون علی الشرکا اصول اپنانا۔ مرور ایام کے ساتھ کارکنوں کے درمیان بھی اور اراکین واکابرین کے مابین بھی ان مقاصد کی تشریح، توضیح اور تعبیر میں بھی اتفاق واختلاف کے کئی دور آئے اور طریق عمل میں بھی۔

مرکزی جمعیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب جوان خون کی حدت مرکزی جمعیۃ کو ملکی سیاست میں گھسیٹ لے آئی یعنی دیگر سیاسی جماعتوں کی طرح اس کو بھی ایک سیاسی جماعت کے طور پر عوام کے سامنے لائی تو اس سے مرکزی جمعیت کو **اثمھما اکبر من نفعھما** والی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ نفع یوں کہ جن اجتماعات، محافل اور اسٹیجوں پر مسلک اہلحدیث کا کبھی نام نہیں لیا وہاں واشگاف انداز میں مسلک کی ترجمانی ہونے لگی۔ نقصان یوں ہوا کہ پڑھے لکھے حضرات اور عوام الناس کا وہ حلقہ جو سادہ، واضح اور شفاف دین اسلام کے لیے تشنہ لب اور ماضی کے اہل الحدیث کو سامنے رکھتے ہوئے باعمل علماء کے متلاشی اور ان سے فیض پانے کے متمنی ہے۔ ان کی مایوسیاں بڑھنے لگیں کیوں کہ ہر دینی، مسلکی اور جماعتی تقریر و تحریر کو سیاست کا تڑکا لازم ہو چکا ہے۔ ان سب سے تکلیف وہ بات یہ ہوئی کہ دور حاضر کی جمہوری سیاست کی آلائشوں سے یہ جماعت حقہ بھی لتھڑتی جا رہی ہے۔ دلیل کے لیے ماضی قریب کی چار دہائیوں کی مرکزی جمعیۃ کی کارکردگی کافی ہے۔ اس انتخاب میں اسی قیادت کے کامیاب ہونے کا امکان ہے۔ جن کے ہاتھوں میں مرکزی جمعیۃ کی باگ ڈور پہلے ہی سے ہے ظاہر بات ہے انہوں نے اپنی کارکردگیاں سنا اور بتا کر ہی انتخاب جیتنا ہوگا لیکن مرکزی جمعیۃ کے ہم جیسے...... سیاست میں بے عمل...... نیاز مند مرکزی جمعیت کے تاسیسی اغراض ومقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی جمعیت اور اس کی تنظیمی وسیاسی پالیسیوں کا جائزہ لیں تو ہم کو اس قیادت کی جدوجہد اور سعی وکوشش کا رخ تاسیسی اغراض ومقاصد کی بجائے دور حاضر کی مروجہ سیاست کی طرف نسبتاً زیادہ نظر آتا ہے۔

مرکزی جمعیت کی طرف سے مسلک اہل حدیث کے داعی اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے ترجمان کے طور پر صرف ہفت روزہ اہلحدیث شائع ہوتا ہے جو عملاً مسلک سے زیادہ مرکزی جمعیت کا ترجمان ہوتا ہے بلکہ بقول شخصے قیادت کا خبرنامہ ہی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی جمعیۃ کی طرف سے

تبلیغی ودعوتی لٹریچر میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں ہوا۔ تنظیمی حوالہ سے ہونے والے اجتماعات میں عقیدے کی دعوت اور مسلک کی وضاحت سیاست کے ملبے تلے دب جاتی ہے۔

مرکزی جمعیۃ اہل حدیث فی السیاستہ کافۃً داخل ہوچکی ہے بلکہ جمہوری سیاست کی دلدل میں دھنس چکی ہے۔ برسر اقتدار احباب یہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس جمہوریت کے ذریعہ دنیا میں نہ کہیں اسلام آیا ہے نہ آ سکتا ہے۔اس کے ذریعہ مسلک کیوں کر پھیل سکتا ہے یا اس کی تبلیغ کیسے کی جاسکتی ہے لیکن یہ حضرات جمہوریت کو اسلام یا شورائی نظام سے قریب تر فرماتے ہیں تو چلو ٹھیک ہے لیکن دکھ تو یہ ہے کہ یہ ''قرآن وسنت کی داعی جماعت'' دور حاضر کی جمہوری سیاست کے گڑھے میں بہت تیزی سے لڑھکتی چلی جارہی ہے۔دین کے شعائر کا اہتمام، جو ہر اہل حدیث فرد کا امتیاز ہوتا تھا ان کا عدم احترام، علم کی بجائے سیاسی قد کاٹھ کی اہمیت، اخلاص وللّٰہیت کی بجائے شہرت ونا موری کی پسندیدگی جو مساجد فقط اللہ کی عبادت کے لیے ہوتی ہیں، ان میں تنظیمی اجلاسوں کا انعقاد، پھر ان میں ہنگامہ آرائی اور سب سے بڑی بات کہ مساجد میں ویڈیو فلمیں بنائے اور دکھائے جانے کا اہتمام۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اراکین شوریٰ کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنی پسندیدہ شخصیت کو ووٹ دینے سے قبل پوچھیں کہ ان کے اہداف کیا ہیں؟ کیا ان کے پاس مرکزی جمعیت کے مقاصد حاصل کرنے کیلئے کوئی پروگرام ایجنڈا یا لائحہ عمل ہے۔

تو حضرات گرامی جس امیدوار کی خدمات مسلک اور عوام کے لیے نمایاں ہوں ان کو منتخب کیجئے اور ان کے اعمال وکردار پر کڑی نظر رکھیے اور ان پر احتساب کا کوڑا لہراتے رہیے نیز ہماری گزارش ہے کہ مجلس شوریٰ کا یہ عظیم اجلاس درجہ ذیل تجاویز پر اور اگر مفید پائیں تو ان کو مرکزی جمعیۃ کے دستور کا حصہ بنالیا جائے۔

① ......مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے تمام عہدے داروں کو ان کے حسب شان اعزازیہ پیش کیا جائے اور ان کی تمام ضروریات کے ان کا حسب شان ومقام انتظام بھی کیا جائے۔تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو جز وقتی کی بجائے مکمل یکسوئی کے ساتھ نبھائیں۔

② ......تمام یونٹوں کے ذمہ داروں......عہدے داروں......کو مقامی حالات کے مطابق اعزازیہ بھی دیا جائے اور ان سے کارکردگی کی رپورٹ بھی طلب کی جائے تاکہ مسئولیت کے عادی ہوں۔

③ ......جمعیت کے تمام یونٹوں کا مرکزی دفتر سے باقاعدہ رابطے......خصوصاً علاقے یا مسجد کے خطیب......کا اہتمام بہ ایں انداز کیا جائے کہ بالترتیب ہر شہر میں ماہانہ، صوبے میں ششماہی اور مرکز میں سالانہ ایک ملاقات/ کنونشن کا اہتمام کیا جائے جس میں خطباء کی خدمات دیکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے کوتاہیوں کی اصلاح اور مشکلات سن کر ان کا ازالہ بھی کیا جائے۔اس کے لیے ایک الگ فعال شعبہ بنایا جائے جس کے کارکنوں کا اعزازیہ معقول ہو۔

④ ...... ہر یونٹ میں نماز مغرب کے بعد ترجمہ قرآن کلاس کا اہتمام کیا جائے جس میں اختلافی مسائل کو زیر بحث لائے بغیر عوام الناس کو ترجمہ قرآن سے روشناس کرایا جائے۔ان کلاسوں کے مدرسین کی حوصلہ افزائی کے لیے مرکز اپنے فنڈز سے براہ راست بھی اور مقامی جماعت سے بھی انہیں معقول اعزازیہ دیا جائے اور ان کے سالانہ امتحانات لے کر مدرسین کی کارکردگی کا جائزہ لینے کی عادت ڈالی جائے۔

⑤ ......انہی حلقات میں ہر ہفتے یا کم از کم ہر ماہ درس حدیث کا اہتمام کیا جائے جو آدھے گھنٹے سے زیادہ نہ ہو لیکن حاضرین کو سوال وجواب کے لیے بے شک ایک گھنٹہ دے دیا جائے۔

⑥ ...... ہر یونٹ یعنی ہر مسجد میں عوام الناس کو مسائل طہارت، طریقہ غسل، طریقہ وضو، نماز کے نواقض اور مکروہات سے آگاہ کیا جائے اور نماز ......میں سکون واقرار......کی عملی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔وما علینا الا البلاغ

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: الكنية قبل أن يولد له

اولاد پیدا ہونے سے پہلے کنیت رکھنا

٨٧٢ . عن إبراهيم ، أنّ عبد الله كنّىٰ علقمةَ أبَا شِبْلٍ ولمْ يُولَدْ لهُ . [صحيح الإسناد]

''ابراہیم بن عبداللہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں عبداللہ بن مسعود نے اپنے شاگرد علقمہ کی کنیت ابو شبل رکھ دی تھی حالانکہ ابھی ان کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا تھا۔''

٨٧٣ . عن علقمةَ [ابن وائل] كنّانِي عبدُ اللّٰهِ [أي: ابن مسعود] قَبْلَ أنْ يُولَدَ لِيْ . [صحيح الإسناد]

''حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود نے میری کنیت میرے ہاں اولاد پیدا ہونے سے پہلے ہی رکھ دی تھی۔''

باب: كنية النساء

عورتوں کی کنیت رکھنے کا بیان

٨٧٤ . عن عائشةَ رضى اللّٰه عنها قالتْ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فقلتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَنَّيْتَ نِسَاءَ كَ ، فاكنني ، فقالَ: تكنّي بابْنِ أُخْتِكِ عَبْدِ اللّٰهِ .

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے عرض کی اے رسول اللہ ﷺ آپ نے اپنی بیویوں کی کنیت رکھی ہے میری کنیت بھی رکھ دیں آپ ﷺ نے فرمایا اپنی بہن کے بیٹے عبداللہ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو چناں چہ آپ کو امّ عبداللہ رضی اللہ عنہا کہا جاتا تھا۔''

٨٧٦ . عن عائشةَ رضى اللّٰه عنها قالتْ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ألا تُكَنِّنِيْ؟ فَقَالَ: ((اَكْتَنِيْ بِابنِكَ)) ـ يعني: عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ الزُّبير ـ فكانتْ تُكَنَّى أمّ عبده اللّٰهِ . [صحيح]

''حضرت عائشہ امّ المومنین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، کیا آپ میری کنیت نہیں رکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بیٹے عبداللہ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو یعنی عبداللہ بن زبیر سے چنانچہ ان کی کنیت امّ عبداللہ ہوگئی تھی۔''

باب: من كنى رجلاً بشيءٍ هو فيه أو بأحدهم

اولاد کے علاوہ کسی دوسری صفت کی بنا پر کنیت رکھنا

٨٧٦ . عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ، أنّ كانتْ أحبَّ أسماءِ عليّ رضى اللّٰه عنه إليهِ لأبو تُرَابٍ ، وإنْ كانَ ليفرَحُ أنْ يُدْعىٰ بها ، وما سمَّاهُ أبَا تُرَابٍ إلّا النَّبِيُّ ﷺ: غَاضَبَ يوماً فاطمةَ فخرَجَ فاضْطَجَع إلى الْجِدَارِ إلى المسجدِ ، وَجَارَهُ النَّبِيُّ ﷺ يتبعُهُ ، فقالَ هُوَ ذَا مضطجعٌ في الجِدَارِ ، فجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ وقد امْتَلأ ظَهْرُهُ تُرَابًا . فَجعَلَ النَّبِيُّ يَمْسَحُ التُّرَابَ عن ظهرهِ ويقُوْلُ: ((اِجْلِسْ أبَا تُرَابٍ)) [صحيح البخاري]

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نام ابوتراب سب سے زیادہ پسند تھا اگر اس نام سے ان کو کوئی شخص پکارتا تو خوش ہوتے تھے۔ ان کی یہ کنیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رکھ دی تھی۔ ایک (دفعہ کا ذکر ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر گھر سے نکل آئے اور مسجد کی دیوار کے سایہ میں لیٹ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ڈھونڈتے ہوئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ وہ مسجد کی دیوار کے سایہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو ان کی پیٹھ مٹی سے بھری ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیٹھ سے مٹی کو جھاڑتے تھے اور فرماتے تھے ابوتراب اٹھ بیٹھو۔''

باب: كيف المشي مع الكبراء وأهل الفضل؟

بڑوں اور اہل فضل کے ساتھ چلنے کا بیان

٨٧٧ . عن أنس قال: بينَما النَّبيُّ ﷺ في نَخْلٍ لَنَا ـ نخل لأبي طلحة ـ تَبَرَّزَ لحاجتِهِ، وبلالٌ يَمشِي إلى جنبهِ فَمرَّ النَّبيُّ ﷺ بقبرٍ فقامَ حَتّى تَمَّ إليه بلالٌ، فقال: ((وَيْحَكَ يَا بِلالُ، هَلْ تَسْمَعُ مَا أَسْمَعُ؟)) قَالَ: مَا أَسْمَعُ شيئًا فقالَ: ((صَاحِبُ هٰذا الْقَبْرِ يُعَذَّبُ)) فَوُجِدَ يهوديًا .

[صحيح الإسناد]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نخلستان میں جو کہ ابوطلحہ کا تھا قضائے حاجت کے لیے نکلے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے چل رہے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں چلنا بے ادبی سمجھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلتے ایک قبر کے پاس سے گزرے آپ وہاں کھڑے ہوگئے یہاں تک (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) بھی وہاں آ پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویحک یا بلال ہائے بلال کیا تمہیں بھی وہ آواز سنائی دے رہی ہے جو میں سن رہا ہوں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے تو کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہودی تھا۔''

باب: [في الأدب]

ادب کا بیان

٨٧٨ . عن قيس [ابن أبي قيس] قال: سمعتُ معاويةَ يقولُ لأخٍ لهُ صغيرٍ: اِرْدِفِ الْغُلَامَ، فأَبٰى، فقالَ له معاويةُ: بِئسَ مَا أُدِّبْتَ، قال قيسٌ: فسمعتُ أبَا سُفْيانَ يقُولُ: دَعْ عنكَ أخَاكَ . [صحيح]

''حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنا وہ اپنے چھوٹے بھائی کو کہہ رہے تھے اس غلام کو اپنے پیچھے سوار کر لو لیکن اس نے انکار کر دیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم کتنے بے ادب ہو۔ حضرت قیس بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابوسفیان کو یہ کہتے ہوئے سنا اپنے بھائی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔''

٨٧٩ . عن موسٰى بن عليّ، عن أبيه، عن عمرو بن العاص قالَ: إذا كثُرَ الأخلّاءُ كثُرَ الغُرَمَاءُ. قلتُ لموسٰى: وما الغُرَمَاءُ؟ قال: الحُقُوْقُ . [صحيح الإسناد]

''حضرت موسیٰ بن علی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب دوست بہت زیادہ ہو جاتے ہیں تو غرماء بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ راوی حدیث بیان کرتے ہیں میں نے موسیٰ سے سوال کیا غرماء کیا چیز ہے انہوں نے فرمایا: حقوق۔''



افتاء

ا: کیا رات کوسوتے وقت سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک پڑھنا صحیح ہے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حدیث کی نوعیت کیسی ہے؟

۲: ایک مسئلہ وراثت کی تفصیل

حافظ ثناء اللہ خاں مدنی...... مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف

☆............(ا)............☆

سوال: کیا رات کوسوتے وقت الم تنزيل اورتبارك الذى بيده الملك کی تلاوت کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

(ایک سائل)

جواب: مسند امام احمد کی تحقیق میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو (۲۶/۲۳)۔

سوال: قیامت کے دن پکارا جائے گا لوگو نگاہیں نیچی کرلو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا آرہی ہیں کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

(ایک سائل)

جواب: سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع من گھڑت ہے۔ درج ذیل حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

(١)۔ مستدرك حاكم، ذكر مناقب فاطمة بنت رسول الله ﷺ، حديث نمبر: ٤٧٢٨، ج:٣۔ قال فى التلخيص: لا والله، بل موضوع، والعباس، قال الدار قطنى: كذاب .

(٢)۔ ضعيف الجامع الصغير حديث ٦٦٧ (اذا كان يوم القيامة نادٰى مناد من وراء الحجب يا اهل الجمع...... (موضوع)

(٣) العلل المتناهيه حديث فى غض الابصار عند حشر فاطمة جلد نمبر ١ (ص: ٢٦٠۔ ٢٦٦٤) .

(٤)۔ الموضوعات جلد نمبر ١، ص: ٤٢٣ .

(٥) كنز العمال جلد نمبر ١١، ١٢، حديث

نمبر: ٣٤٢١٤ .

سوال: میں نے ایک آدمی سے مبلغ ۳۶ لاکھ روپے لینے تھے۔ عرصہ ۴ سال سے وہ رقم دینے سے انکاری تھا ایک دفعہ اس نے مجھے کہا کہ آپ کی رقم مبلغ دس لاکھ روپے ہے وہ میں نے دینی ہے لیکن میں اُس کے پاس جاتا رہا اُس نے وہ رقم بھی مجھے نہ دی جو اُس نے کہی تھی آخر کار میں تھک ہار کر بیٹھ گیا اللہ سے مانگتا رہا اللہ نے میری سنی اُس کے چیک میرے ہاتھ آ گئے اُس پر میں نے ۸۶ لاکھ روپے کا پرچہ کروا دیا۔ اب وہ کہتا ہے کہ میں نے تو ۳۶ لاکھ روپے دینے ہے۔ ۸۶ لاکھ روپے نہیں۔ میں نے سب پروف دے دیئے ہیں کہ میں نے ۸۶ لاکھ روپے لینے ہیں۔ اب وہ کہتا ہے میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے تو ۳۶ لاکھ روپے دینے ہیں۔ حلفاً یہ کہے تو بھی میں رقم ادا کر دیتا ہوں۔ ۳۶ لاکھ روپے کا جو مال میں نے اُس کو دیا تھا عرصہ ۲۰ دن کے کریڈٹ پر اُس کو ۴ سال گزر رہے ہیں بلکہ رقم سے بھی انکاری تھا۔

۳۶ لاکھ روپے کا جو مال میں نے اُس کو دیا تھا اُس کی قیمت اب تین گنا ہوگئی ہے۔ میری مالی حالت بہت کمزور ہوگئی تھی یہاں تک کہ گھر میں فاقہ تک آیا۔ اب اُس نے مارکیٹ میں کافی لوگوں کے پیسے دینے ہیں مارکیٹ کے لوگوں نے مجھ سے رابطہ کیا ہے کہ آپ اس سے ساری رقم وصول کریں۔ حلفاً یا ویسے ہم لوگ آپ سے پیسے وصول کرلیں گے۔ کیا میں حلف دے سکتا ہوں کہ میں نے اور میرے بھائی نے اس سے ۸۶ لاکھ روپے لینے ہیں جب کہ میں نے ۳۶ لاکھ بقایا رقم بھائی کو کیسے ادا کرسکتا ہوں۔ یا میں رقم

وصول کر کے اتنی دیر استعمال کرسکتا ہوں جتنی دیر اُس نے میری رقم استعمال کی ہے؟ (ایک سائل)

جواب: موجودہ صورت میں اپنا جائز حق اور دوسرے بھائیوں کے حق کی خاطر قسم کھا کر ۸۶ لاکھ روپے آپ وصول کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہر ایک کو اپنی حدود کے اندر پیسہ ملے آپ بھی اپنے مقررہ حق سے زائد وصول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ شرع میں سود حرام ہے صحیح احادیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے اپنے بھائی کی امداد کر خواہ ظالم ہو یا مظلوم، ظالم کی امداد کی صورت رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑے اور اس کو ظلم سے روکے اور اس کو ظلم سے نکال دے پس حق والے کو چاہیے کہ اپنا حق وصول کر کے یا معاف کر کے ظالم کو ظلم سے نکال دے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ اگر دونوں باتوں سے کوئی نہ کرے تو گویا اس نے ظلم پر امداد کی، کیوں کہ باوجود موقعہ پانے کے اور ظلم سے بچا سکنے کے نہ بچایا۔ قرآنِ مجید میں اسی چیز کا بیان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورہ مائدہ رکوع اوّل)

یعنی ''نیکی اور پرہیزگاری پر امداد کرو اور زیادتی پر امداد نہ کرو۔''

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سبل السلام (۴/۳/۱۷۴) وفتاویٰ اہل حدیث جلد: ۳، ص: ۴۷۴، ۳۷۵۔ محدث روپڑی رحمہ اللہ

☆............(۲)............☆

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد ارشد ولد شمشیر خان نے تقریباً ۱۸ سے ۲۰ سال کی عمر میں اپنی خالہ کے ذریعہ سے اپنے ماموں سے تین ہزار روپیہ بطور قرض بہ نیت تجارت لیے اور روزانہ سائیکل پر ۲۵ سے ۳۰ میل پھیری لگا کر لوہے کے کاروبار سے (اسکریپ) کام کا آغاز کیا۔ اس کاروبار میں سے وہ اپنے والد محترم کو بحیثیت والد احتراماً کچھ رقم دیا کرتا تھا۔ جو تمام بہن بھائیوں والدین سمیت گھر کے اخراجات میں استعمال ہوتا تھا اور اسی دوران اس کے دیگر بھائی جاوید، داؤد، ایوب، ابرار، بلال اور تین بہنیں زیر کفالت تھے اور اس کے کاروبار میں ان کا کسی قسم کا عمل دخل یا تعاون نہ تھا۔ کیوں کہ اس وقت وہ تمام بہن بھائی چھوٹے ہونے کی وجہ سے اسکول اور کالج میں زیر تعلیم تھے۔

اسکریپ کے کاروبار میں تجربہ کی بنیاد پر اس کو سن ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۲ء میں اللہ تعالیٰ نے ایک نفع والا ٹینڈر دلایا جس میں اس کے علاوہ خاندان کا کوئی فرد شامل نہ تھا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس کے والد محترم اپنے بھائی کے عدم تعاون کی وجہ سے معاشی طور پر سخت پریشان تھے۔

اس ٹینڈر میں اس نے اپنے والد صاحب کو اکراماً احتراماً بطور حصہ دار شامل کر لیا جب کہ ان کی کوئی رقم اس میں شامل نہ تھی۔ ساری رقم اس اس نے اپنے سسر کے دوست سے قرضہ لے کر ادا کی تھی۔ اس کی صورت کچھ یوں بنی کہ اس وقت اس کے پاس ٹینڈر کی رقم جمع کرانے کے لیے کچھ نہ تھا تو وہ اپنے سسر کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس رقم تو نہیں ہے مگر میں اپنے دوست سے بطور قرض لے کر دیتا ہوں، انہوں نے (ڈیڑھ لاکھ روپے) مہر محمد لطیف سے لے کر قرض کے طور پر اس کو دی۔ اس رقم سے یہ ٹینڈر حاصل کر کے کام شروع کیا۔ جس سے الحمد للہ انہیں بہت نفع حاصل ہوا۔

اس ٹینڈر میں محمد ارشد خان، شمشیر خان، اللہ رکھا، الیاس بٹالوی (چار حصہ دار) تھے جب کہ شمشیر خان کی کوئی رقم اس ٹینڈر میں نہ تھی۔ اس کے علاوہ اس کاروبار میں اس کے بہن بھائیوں کا کسی قسم کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ اسی ٹینڈر کے منافع سے حاصل شدہ رقم سے اس نے مصری شاہ والا پلاٹ خریدا۔ اسی دوران اس کے والد صاحب نے اس سے مشورہ کیا کہ آپ چوں کہ کاروبار میں مصروفیت کے لیے اِدھر اُدھر آتے جاتے رہتے ہو اور میں حساب کتاب لکھنا نہیں جانتا اس لیے

حساب کتاب لکھنے کے لیے جاوید کو اپنے ساتھ لگا لو۔ اس کاروبار میں ترقی ہوتی رہی۔

اسی دوران تمام بہن بھائیوں کی شادیاں بھی ہوئیں اور اس نے اس کاروبار کی رقم سے کسی کو (تیس تولہ) تو کسی کو (چالیس تولہ) سونا زیور اور شادی کے تمام اخراجات پورے کیے۔

نیز منقولہ غیر منقولہ جائیدادیں خریدی گئیں اور کاروبار بھی وسیع ہوگیا۔ ۱۹۷۹ء میں ارشد کے والد محترم شمشیر خان کا انتقال ہوگیا۔ مرض الموت میں ارشد کے والد نے ارشد سے کہا کہ بچوں کا خیال رکھنا۔ کیوں کہ وہ سب بہن بھائیوں میں بڑا تھا۔ کاروبار الحمد للہ ہزاروں سے کروڑوں تک پہنچ گیا۔

۱۹۹۷ء میں اچانک ارشد کے بھائیوں نے اس کے سامنے ایک لسٹ پیش کی جس میں انہوں نے اپنے طور پر جائیداد کی تفصیل درج کیں اور ارشد سے والد صاحب کے دوستوں کی موجودگی میں ارشد سے دستخط کرائے، تاکہ سب بہن بھائی مل کر جائیداد کے معاملات طے کرلیں۔

جناب والا حقیقت یہ ہے کہ جائیداد سے متعلق جس لسٹ پر ارشد سے دستخط کرائے گئے ہیں اس میں ارشد کی ذاتی اور وراثت والی جائیداد یعنی جو اس کے والد مرحوم کی طرف سے ہے اس کو اکٹھا (جمع) کرلیا ہے نیز بعض ایسی جائیداد کا تذکرہ تک نہیں کیا گیا جو ارشد کے ذرائع آمدنی سے اسے لاعلم رکھ کر جائیدادیں خریدی گئی ہیں۔

۱: آپ سے سوال یہ ہے کہ اس تمام تفصیل کی جو میں نے تحریر کی ہے اس میں ارشد کے بھائیوں کا قرآن وحدیث کی رو سے حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

۲: جو اس کی ذاتی ذرائع آمدنی سے جائیدادیں اسے لاعلم رکھ کر خریدی گئی ہیں کیا اس کے وہ شرعاً مالک بن گئے ہیں؟ نیز اس میں کیا ارشد کا حصہ بھی بنتا ہے یا نہیں؟

۳: ارشد کے بھائی بعض نفع بخش جائیدادوں پر قابض ہوکر اس کا نفع حاصل کررہے ہیں اور ارشد کو اس سے مکمل طور پر بے دخل کردیا ہے۔ کیا ایسی آمدنی ان کے لیے حلال ہے یا حرام ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں حرام جائیداد کی کیا وعید ہے؟

(سائل: حبیب احمد، لاہور)

جواب: بشرط صحت سوال یعنی اگر واقعی سوالنامہ حقیقت واقعیہ کے مطابق ہے تو اس سے صاف ظاہر اور عیاں ہے کہ مسمی محمد ارشد بلا کسی جبر واکراہ کے اپنے تنگ دست والد محترم شمشیر خاں کو اکراماً واحتراماً اپنے ٹینڈر میں حصہ دار بنالیا تھا جو اس نے کسی مہربان سے ڈیڑھ لاکھ روپے قرض لے کر ۱۹۷۲ء میں لیا تھا۔ چوں کہ محمد ارشد نے اپنی آزاد مرضی کے ساتھ اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے جو کہ شرعاً بالکل ہر طرح قابل تعریف ہے کیوں کہ قرآن وحدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکیدی احکام موجود ہیں۔ لہٰذا اس کا یہ عمل حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے اسوۂ حسنہ کے عین مطابق ہے کہ انہوں نے اپنا سارا مال رسول اللہ ﷺ کی اپیل پر پیش کردیا تھا جیسا کہ سنن ابی داؤد میں مرقوم ہے۔ لہٰذا ارشد کا والد اس کے کاروبار میں شرعاً حصہ دار بن چکا ہے۔

اب اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ شرکت ابدان کی قبیل سے ہے اگرچہ فقہاء نے شرکت ابدان میں فریقین کے لیے روپے لگانے کی شرط لگائی ہے جو کہ بلا دلیل ہے۔ کیوں کہ شرکت کے جواز کے لیے صرف فریقین میں رضامندی کافی ہے۔ مزید کسی شرط کی شرعاً حاجت نہ ہے۔ چناں چہ والا جاہ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ شرکت کی چاروں اقسام شرکۃ العینان، شرکۃ المفاوضہ، شرکۃ الابدان اور شرکۃ الوجوہ میں فقہاء کی عائد کردہ شرطوں پر محاکمہ اور مناقشہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ شرکت کے جواز کے لیے ہر ایک شریک کے پاس روپیہ ہونا شرعاً کوئی ضروری نہیں۔ صرف تراضی فریقین ہی کافی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

والحاصل ان جمیع هٰذه الانواع یکفی فی

الـدخول فيها مجرد التراضی لان ما كان منها من التصرف فی الملك فمناطهٔ التراضی ولا يتـحتم اعتبار وغيره ...... فما هذهِ الانواع التی نـوعـوهـا والشـروط التی اشترطوا وایّ دليل عقل او نقل الجائهم الٰی ذالك۔

[الروضة الندية، ج: ٢، ص: ١٣٧]

خلاصہ بحث یہ کہ شرکت کی تمام اقسام میں شریک ہونے کے لیے فریقین کی صرف باہمی رضامندی ہی کافی ہے۔ کیوں کہ شرکت کے مال میں تصرف کا دارو مدار تراضی پر ہے۔ اس میں کسی اور شرط کا اعتبار کوئی حتمی امر نہیں۔ فقہائے کرام نے شرکت کی جو اقسام اور ان کی جو شرطیں تجویز کر رکھی ہیں۔ ان کی کوئی عقلی دلیل موجود نہیں جو ان کو ان شرطوں پر مجبور کرتی ہو۔

چوں کہ راشد نے اپنے والد بزرگوار کو اپنی خوشی اور مرضی سے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنایا ہے اور شرکت ابدان کی قبیل سے ہے۔ لہٰذا والد شرعاً اپنے حصہ کا مالک بن چکا ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ۱۹۷۲ء سے لے کر شمشیر خان کی وفات ۱۹۷۹ء تک اس سودے سے حاصل ہونے والی آمدن سے قرضہ کی رقم مبلغ ڈیڑھ لاکھ منہا کر کے باقی ماندہ آمدن طے شدہ تناسب کے مطابق دو حصوں میں تقسیم کر کے شمشیر خاں کے حصہ میں آنے والی آمدن اس کی اولاد میں شرعی قانون میراث کے مطابق تقسیم کر دی جائے کہ اس کا ترکہ ہے اور اس ترکہ میں راشد بھی شامل ہے کہ وہ بھی دوسری اولاد کی طرح اس کا بیٹا ہے۔

جواب سوال نمبر (٢): ارشد کے برادران ان جائیدادوں کے واحد مالک ہرگز نہیں۔ وہ ارشد کی ہیں۔

جواب سوال نمبر (٣): ان نفع بخش جائیدادوں پر قبضہ کر کے ان کا نفع حاصل کرنا برادران ارشد کا سراسر ظلم اور نری خیانت ہے اور ﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ کے مطابق حرام ہے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال ورطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔ کذب بیانی کا خود سائل ذمہ دار ہے۔

هـذا ما سخ لی الآن هٰذا ما عندی والله تعالٰی اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب فی يوم الحساب .

احکام و مسائل

گانا بجانا

گیت گانا رسننا، میوزیکل پروگرامز کا اہتمام کرنا حرام ہے

امان اللہ عاصم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

[لقمان: ۳۱/ ۶، ۷]

''اور لوگوں میں کوئی انسان ایسا بھی ہے جو بیہودگی کا سامان خریدتا ہے تاکہ کچھ جانے بغیر لوگوں کو اللہ کے رستے سے گمراہ کرے۔ اور اس طرح ہنسی و مذاق کا ماحول بنائے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب ہے۔ اور جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو یوں متکبرانہ انداز میں منہ موڑتا ہے گویا اس نے اسے سنا ہی نہ ہو۔ گویا اس کے کانوں میں بوجھ ہے۔ آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔''

اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس آیت میں ''لھو الحدیث'' سے مراد گانا بجانا ہے۔ اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین بار دہرائی۔ [تفسیر ابن کثیر: ۶/ ۳۳۰، تحقیق سامی بن محمد سلامہ۔ تفسیر الطبری: ۲۰/ ۱۲۷، تحقیق احمد محمد شاکر۔ المستدرک للحاکم: ۲/ ۴۴۵، حدیث ۳۵۴۲، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، علامہ ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔]

سیدنا عبداللہ بن عباس نے بھی اس سے مراد گانا ہی لیا ہے۔

[تفسیر الطبری: ۲۰/ ۱۲۷، تحقیق احمد محمد شاکر]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ۔ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ۔ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ﴾ [النجم: ۵۳/ ۵۹ تا ۶۱]

'کیا تم اس بات (قرآن) سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو، روتے نہیں، اور تم کھیل تماشا میں رہنے والے ہو۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت مبارکہ میں موجود لفظ ''سامدون'' (یعنی کھیل میں مصروف رہنے والے) کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں: ان کے کھیل سے مراد ''گانا'' ہے۔

[تفسیر الطبری: ۲۲/ ۵۶۱، تحقیق احمد محمد شاکر]

اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات سے معلوم ہوا کہ گانا بجانا شیطانی اور بیہودہ عمل ہے۔ جس سے باز رہنا ضروری اور لازم ہے۔ گیت رگانے سننا، ساز بجانا وغیرہ بلاشبہ حرام عمل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے گانے سننے والوں کے بارے فرمایا: ''ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری امت کے لوگ شراب پئیں گے اور شراب کا نام کچھ اور ہی رکھیں گے۔ اور ان کے پاس طبلے، سارنگیاں، باجے وغیرہ بجائے جائیں گے اور گلوکارائیں گیت گائیں گی۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بندر اور خنزیر بنا دیں گے اور انہیں زمین میں دھنسا دیں گے۔'' [سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب العقوبات، حدیث: ۴۰۲۰، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔]

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت

میں زمیں میں دھنسنا اور شکلیں بدلنا جیسے عذاب آنے لگیں گے۔ایک صحابی نے پوچھا: آقا! ایسا کب ہوگا؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب گانا گانے والی گلوکارائیں، ڈھول، طبلے (یعنی میوزیکل پروگرامز) اور شراب نوشی عام ہوجائے گی۔[سنن الترمذی: کتاب الفتن، باب علامة حلول المسخ والخسف، حدیث: ۲۲۱۲ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے]

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ رستے سے گزر رہے تھے کہ کسی جانب سے گیتوں کی آواز آنے لگی، تو آپ ﷺ نے اپنے کانوں میں انگلیاں کرلیں۔[سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب کراهية الغناء والزمر، حدیث: ۴۹۲۴ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور طبلے سارنگیاں (یعنی میوزک) تمہارے لیے حرام قرار دیا ہے۔[سنن ابی داؤد: کتاب الأشربة، باب في الأوعية، حدیث: ۳۶۹۶ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے]

آیات قرآنی اور نبی اکرم ﷺ کے فرامین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گانا بجانا، گیت سنگیت کی محافل (میوزیکل پروگرامز) طبلے، سارنگیاں، باجے گاجے، ڈھول، سائرن اور دیگر اقسام میوزک سننا، ان کا اہتمام کرنا، ان کی حوصلہ افزائی کرنا، ان سے لگاؤ رکھنا یا خود عشقیہ گیت گنگناتے رہنا وغیرہ تمام شیطانی، بیہودہ، ممنوع اور حرام اعمال ہیں۔اللہ کے نبی ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور سننے والوں کے لیے عذاب کی وعید ہے۔لھذا بحیثیت مسلمان ہمیں ہر اس عمل سے دور اور باز رہنا چاہیے جس سے ہمارے نبی محترم ﷺ نے منع فرمایا ہو۔اور یہی قرآن کا ہمارے لیے حکم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ [الحشر: ۷/۵۹]

''رسول (ﷺ) جو تمھیں دیں اسے قبول کرو اور جس سے روکیں اس سے باز رہو، اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

نبی ﷺ کے داعیانہ اوصاف

مولانا محمد یوسف اصلاحی

حکمت وسلیقہ:

دنیا کے ہر کام کے لیے حکمت وسلیقہ ایک اہم ضرورت ہے، لیکن دعوت وتبلیغ کے لیے حکمت وسلیقے کی اہمیت یہ ہے کہ خدا نے خود اس کا حکم دیا ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ﴾ [النحل: ۱۲۵]

''اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت وسلیقہ کے ساتھ دعوت دیجیے۔''

اور یہ حقیقت ہے کہ نبی ﷺ نے دعوت وتبلیغ میں حکمت وسلیقہ کا جو اہتمام فرمایا وہ خاتم نبوت ﷺ ہی کا حق ہے۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اگر آپ یہ جاننا اور سمجھنا چاہیں کہ قرآن کی اس ہدایت کا منشا کیا ہے اور حکمت کا مفہوم کیا ہے تو اس کا ایک ہی صحیح اور یقینی طریقہ ہے کہ داعی اعظم نے، دعوت وتبلیغ کا فریضہ جس طرح انجام دیا، وہی حکمت ہے۔ دعوت وتبلیغ کی حکمت کو پانے کا ایک ہی اطمینان بخش ذریعہ ہے کہ آپ کی دعوت زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے اور بار بار مطالعہ کیا جائے۔ آپ کی دعوتی زندگی ہی حکمت کی صحیح تفسیر ہے۔ آپ کی پاکیزہ زندگی سے بے نیاز ہو کر حکمت کی ہر تفسیر، حکمت نہیں ضلالت اور گمراہی ہے۔

نبی ﷺ نے پوری زندگی دعوت وتبلیغ کا جو فریضہ انجام دیا خدا کی نگرانی، حفاظت اور رہنمائی میں انجام دیا۔ خدا نے ہر طرح کی لغزش اور خطا سے آپ کو محفوظ رکھا، اور آپ نے خدا کی منشا اور ہدایت کے مطابق اس فریضہ کو انجام دیا، اور اس سلسلے میں اعلیٰ ترین حکمت اور سلیقہ کا حق ادا کیا۔

حضور ﷺ کی دعوتی زندگی پر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو دعوت وتبلیغ کے فریضے کے تقدس اور عظمت کا پورا پورا احساس تھا۔ آپ انسانی نفسیات کا بھی لحاظ فرماتے، مخاطب کے جذبات واحساسات کا بھی خیال رکھتے، موقع ومحل کو بھی نگاہ میں رکھتے، اور یہ بات بھی پیش نظر رہتی کہ کس سے کیا کہنا ہے، کس انداز میں کہنا ہے، کس رخ سے کہنا ہے۔ آپ ﷺ خیال رکھتے کہ مخاطب میں بیزاری اور اکتاہٹ نہ پیدا ہو، دعوت سے بے پروائی اور اس کی تحقیر کا جذبہ نہ اُبھرے، وہ اسے اپنی سب سے قیمتی دولت اور سب سے اہم ضرورت سمجھ کر قبول کرے، اور اسے اپنی ہی چیز تصور کرے۔

مثال کے طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک موقع پر دریافت کیا ''یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟'' ارشاد فرمایا:

سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ .

''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔''

جواب کا یہ انداز کس قدر حکیمانہ ہے، یہ جواب سن کر پوچھنے والوں میں اس سنت کو قبول کرنے کے جذبات کس طرح اُبھرے ہوں گے اور کس طرح قربانی کو اپنے باپ دادا کی سنت سمجھ کر انہوں نے دل کی رغبت سے ادا کیا ہوگا۔ آپ اس کا جواب یہ بھی دے سکتے تھے کہ یہ خدا کا حکم ہے، یا خدا کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت ہے، یا کچھ اور لیکن آپ نے مخاطب کی نفسیات اور جذبات کا جس طرح لحاظ رکھا اور حکم خداوندی کے لیے قبولیت کی فضا پیدا کرنے کی غرض سے جو اندازِ بیان اختیار کیا، حکمت کے لحاظ سے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

خدا نے آپ کو حکم دیا کہ اہل کتاب یہود کے سامنے توحید اور اس کے تقاضے پیش کیجیے کہ یہی ہمارے تمہارے درمیان متفقہ بنیاد ہے، ہم

بھی اسے مانتے ہیں، تم بھی اسے ماننے کا دعویٰ کرتے ہو تو آؤ اس کے تقاضوں پر غور کریں اور ان کو پورا کریں، خدا کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ٦٤]

''کہیے، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی خدا کے سوا کسی کو اپنا ربّ نہ بنائے۔''

اس ہدایت سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مخالفین سے گفتگو میں متفقہ بنیادوں کو سامنے رکھا جائے، اور اختلافی موضوعات کو چھیڑنے کے بجائے متفقہ بنیادوں کے تقاضے واضح کیے جائیں، تاکہ وہ اس سے بدکنے کے بجائے قریب آئیں، اور اس طرح دعوت کے لیے ان کے دل کھلیں اور رسولِ برحق نے اپنی دعوت میں اس حکمت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

⦿ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی۔

''تم دونوں دین کو لوگوں کے لیے آسان بنانا، مشکل نہ بنانا، لوگوں کو دین کے قریب لانا، ایسا نہ کرنا کہ لوگ دین سے بدک جائیں اور دور بھاگیں۔'' [جمع الفوائد]

دین کو آسان بنانے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی دعوت اس طرح پیش کی جائے کہ مخاطب کو دین اپنانا اور اس پر عمل کرنا آسان محسوس ہو، دین کو اس انداز سے سامنے نہ لایا جائے کہ سننے والوں کی ہمتیں جواب دینے لگیں اور وہ کچھ اس طرح سوچنے لگیں کہ ایسے دین کو قبول نہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

ایک بار کسی بدنصیب نے داعی اعظم کی شان میں گستاخی کی اور کچھ نامناسب الفاظ استعمال کیے۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت غیر ہوگئی۔ ممکن تھا کہ غصہ سے بے قابو ہو کر لوگ اس گستاخ کو قتل کر ڈالتے، آپ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے لوگوں کو جس انداز سے داعیانہ حکمت کا سبق دیا وہ ہمیشہ نگاہ میں رکھنے کے لائق ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری اور اس شخص کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی کے پاس ایک اونٹنی تھی جو بدک گئی اور رسی تڑا کر بھاگ کھڑی ہوئی لوگوں نے اس کا پیچھا کیا، اور طاقت وتشدد کے ذریعے اس پر قابو پانا چاہا...... ان کی ان کوششوں کے نتیجے میں وہ کچھ اور بھڑک گئی اور ہزار جتن کے باوجود کسی طرح قابو میں نہ آسکی، اونٹنی کے مالک نے لوگوں سے کہا، تم ہٹ جاؤ، میں خود ہی اسے قبضے میں کرلوں گا۔ میں بہت اچھی تدبیر جانتا ہوں، مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ کس طرح قابو میں آئے گی۔ اب اس نے اونٹنی کا پیچھا نہیں کیا، بلکہ اونٹنی کے آگے سے آیا زمین سے کچھ گھاس لی، اور پیار سے چمکار کر اس کی طرف بڑھا، اونٹنی اس کے پاس آگئی اور بیٹھ گئی۔ اس نے اونٹنی پر کجاوہ باندھا اور اطمینان سے اس پر سوار ہوگیا۔''

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر پنجشنبہ کو پابندی کے ساتھ وعظ وتلقین کیا کرتے تھے۔ ان سے کسی نے گزارش کی، اے ابوعبدالرحمٰن! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ وعظ ونصیحت کا یہ پروگرام روزانہ رکھیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا ''روزانہ تقریر ووعظ کا یہ پروگرام رکھنے سے جو چیز میرے لیے مانع بن رہی ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ کہیں اس سے اکتا نہ جائیں اور مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ آپ لوگ دین کی دعوت سے اُکتا جائیں، میں اسی طرح وقفہ وقفہ سے تمہیں نصیحت وتلقین کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ناغہ دے کر نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔''

[بخاری، مسلم]

دراصل دین ہی انسان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، یہ سرمایہ یونہی اندھا دھند بکھیرنے اور ہوا کے رخ پر اڑانے کے لیے نہیں ہے، داعی

کا فرض ہے کہ وہ اپنی دعوت کے تقدس اور عظمت کا پورا پورا احساس رکھے، اس کے لیے مناسب زمین کا انتخاب کرے، موزوں حالات اور اچھے موسم کا لحاظ کرے، اور یونہی دانے بکھیر کر غافل نہ ہو جائے بلکہ ان قیمتی دانوں کی باقاعدہ کاشت کرے، ان کی آبیاری اور پرورش و پرداخت اور نگرانی کا مناسب بندوبست کرے۔ ہر طبقے، ہر گروہ اور ہر فرد سے اس کی فکری رسائی، ذہنی کیفیت، استعداد وصلاحیت، سماجی حیثیت اور رجحان ومیلان کا لحاظ رکھے، اور اس بات کو بھی نگاہ میں رکھے کہ مخاطب میں جب قبولیت کا رجحان اور جذبات پیدا ہوتے نظر آئیں اس وقت انتہائی سوز اور اہمیت کے ساتھ اپنی بات رکھے۔ اور اپنی دعوت مخاطب کے دل میں اتارنے کی کوشش کرے۔

⊙ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''ہفتہ میں صرف ایک بار وعظ وتلقین کا پروگرام رکھو زیادہ کرو تو دو دن رکھ لو، اور تین بار سے زیادہ تو ہرگز نہ رکھو۔ دیکھو اس قرآن سے لوگوں میں بیزاری نہ پیدا کرو۔ ایسا کبھی نہ ہو کہ تم لوگوں کے پاس دین کی دعوت دینے کے لیے پہنچو، اس وقت وہ اپنے کسی کام میں لگے ہوئے ہوں اور تم اپنا وعظ شروع کر دو۔ اور ان کی بات کاٹ کر اپنی بات کہنے لگو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اُن کو دین کی دعوت سے دور کر دو گے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرو۔ اور جب خود ان کے اندر دین کی طلب دیکھو اور وہ تم سے خود مطالبہ کریں تو اس وقت اپنی بات کہو، اور دیکھو تقریر میں قافیہ آرائی اور عبارت سازی اور شاعرانہ انداز اختیار کرنے سے بچو، کیوں کہ میں نے خدا کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ وہ بناوٹ اور عبارت آرائی سے بہت دور رہتے تھے۔[بخاری]

⊙ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ خدا کے رسول ﷺ جب کسی آدمی کو ناپسندیدہ بات کرتے دیکھتے تو بہت کم ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ اسے براہِ راست منہ در منہ ٹوکتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا، اس کے کپڑوں پر کچھ پیلے پیلے دھبے تھے، جب وہ آدمی اٹھ کر گیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر یہ شخص اپنے کپڑے بدل لیتا، یا ان دھبوں کو صاف کر لیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔''

امام سرخسی رحمہ اللہ نے مبسوط میں نبی ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا ہے، جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

''دیکھو ایسا ڈھنگ نہ اختیار کرنا کہ اللہ کے بندے اللہ کی بندگی سے نفرت کرنے لگیں،'' یعنی داعیانِ حق دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں کوئی ایسا غیر حکیمانہ اور بھونڈا انداز ہرگز نہ اختیار کریں کہ لوگوں کو اپنے ربّ کی راہ پر چلنے اور دین کو اپنانے ہی سے نفرت ہونے لگے۔

ایک موقع پر نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نگاہ کی حفاظت، راہِ خدا میں پہرہ دینے کی عظمت اور خوفِ خدا میں رونے کی اہمیت وفضیلت کی طرف متوجہ فرمایا اور ان فضیلتوں کو حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ نے ایسا حکیمانہ انداز اختیار فرمایا جو داعیانہ حکمت کی اعلیٰ مثال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز ہر آنکھ روئے گی۔ سوائے اس آنکھ کے جس نے کسی حرام چیز پر نگاہ نہ ڈالی، اور سوائے اس مجاہد کی آنکھ کے جو پہرہ دینے کے لیے جاگتی رہی ہو، اور وہ آنکھ قیامت کے روز نہ روئے گی جس سے دنیا میں خوف خدا کی وجہ سے کسی وقت آنسو نکلا ہو چاہے وہ مکھی کے سر کے برابر حقیر اور چھوٹا ہو۔'' (جاری ہے)



سیرتِ نبوی

معجزۂ کردار

سیّد اسعد گیلانی

حضور اکرم ﷺ نے دعوت اسلامی کا آغاز ایک فی قوم کے تناسب سے کیا۔ پوری قوم ایک طرف تھی اور حضور اکرم ﷺ پوری قوم کے مقابل دوسری طرف تھے۔ جو دعوت آپ نے پیش کرنی شروع کی وہ پوری قوم کے سارے ڈھانچے کو ادھیڑ کر اسے از سرِ نو استوار کرنے والی تھی۔ اور یہ بات قریش آپ ﷺ کے پیش کردہ صرف ایک کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے چند الفاظ سے ہی سمجھ گئے تھے۔ اس دعوت کے ذریعے پورے معاشرے کی قدریں بدلی جا رہی تھیں۔ خیر و شر کے پیمانے منقلب ہو رہے تھے۔ معیاراتِ قیادت و رہنمائی تبدیل ہو رہے تھے۔ نفع و نقصان کی میزان بدل رہی تھی۔ دعوتِ اسلامی کا مسئلہ صرف چند مذہبی تصورات میں تھوڑی سی تبدیلی لانے ہی کا معاملہ نہیں تھا بلکہ یہ تو ہمہ پہلو، ہمہ جہت اور کلی تبدیلی کا مسئلہ تھا۔ اس کلمہ کی روشنی میں تو ہر چیز بدل جانے والی تھی۔ چمگادڑوں سے کہیے کہ وہ طلوع سحر کو ٹھنڈے پیٹوں، ہنسی خوشی برداشت کر لیں تو یہ ایک ناقابل قبول اور کٹھن مطالبہ ہے۔ چناں چہ عین توقع کے مطابق دعوتِ عام کے ساتھ ہی مخالفت شروع ہو گئی اور پھر بے پناہ مخالفت ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا کہ کسی نبی کو ان مشکلات سے سابقہ پیش نہیں آیا جن مشکلات سے مجھے سابقہ پیش آیا ہے۔

اس کلی انقلابی دعوت کو نظامِ باطل کے چوکیدار برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ لوگ جو سیاسی اور معاشرتی مفادات کے محافظ تھے ان کے لیے اس دعوت کو ہضم کرنا سخت مشکل تھا۔ اس دعوت کو برداشت کرنے کے معنی اپنی سابقہ حاصل کردہ سیادتوں، قیادتوں اور محفوظ مفادات سے دست برداری اور محرومی تھی۔ چناں چہ دعوت کے سامنے آتے ہی وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر پل پڑے۔ ایسی شدید مخالفانہ یلغار اور اتنی کثیر طاقت ور مخالفت کے مقابلے میں ایک فی قوم کے تناسب سے ایک انقلابی دعوت کو آگے بڑھانا کوئی کھیل نہ تھا۔ یہ آنکھوں دیکھتے ہوئے اپنی موت سے کھیلنے والی بات تھی۔ لیکن اس کے باوجود اتنی بڑی مخالفت اور عداوت کے مقابلے کے لیے حضور ﷺ کے پاس ایسے تین انقلاب انگیز ہتھیار تھے جن کا مخالفین کے پاس کوئی توڑ نہ تھا یہ تھے معجزۂ کردار، معجزۂ قرآن، اور معجزۂ کلام۔ ان میں سب سے پہلا مؤثر اور کارگر ہتھیار حضور اکرم ﷺ کا اپنا کردار تھا جو آپ نے قریش کے درمیان گزری ہوئی پوری چالیس سالہ زندگی میں ان کے سامنے رکھا تھا۔

ایک شخص جس کی شرافت کی شہرت دور دور تک تھی جس کی حیا کنواری لڑکیوں کی طرح کسی غیر محرم کی طرف بے جا نظر اٹھانے کی بھی روادار نہ تھی۔ جس کی دیانت و امانت کا یہ حال تھا کہ دشمن بھی آپ ﷺ کے پاس امانتیں رکھواتے تھے۔ اس دیانت و امانت کا سکہ اتنا رواں تھا کہ جب اپنی قوم کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کی تو اس وقت بھی اسی ظالم قوم کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس اتنی جمع تھیں کہ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگانی پڑی کہ وہ اس ظالم قوم کی سب امانتیں واپس کر کے مدینہ تشریف لائیں۔

ان حالات میں بھی آپ کی امانت اور دیانت پر سب اعتماد کرتے تھے۔ مخالفین اپنے مقدمات و تنازعات کے فیصلوں کے لیے آپ ﷺ کے پاس آتے تھے۔ آپ ﷺ کی طرف سے بے سہارا بیواؤں کے وظیفے مقرر تھے اور آپ ﷺ یتیموں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ مظلوموں کی حمایت کا اہتمام اور رشتہ داروں اور عزیزوں سے صلہ رحمی کرتے تھے۔ کسی نے کبھی کوئی نازیبا بات آپ ﷺ کی پوری مدتِ عمر

میں آپ ﷺ کی زبان سے نہ سنی تھی اور کوئی اس بات کا گواہ نہ تھا کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے جھگڑا کیا ہو، کسی کو گالی دی ہو، کسی سے کبھی کوئی زیادتی کی ہو، کسی سے وعدہ خلافی کی ہو اور کسی سے بدمعاملگی کی ہو، کیوں کہ آپ ﷺ کے کردار کا خود اللہ تعالیٰ محافظ ونگران تھا۔

بچپن میں جب آپ ﷺ بکریاں چراتے تھے اور آپ ﷺ کا بیشتر وقت شہر سے باہر دشت وصحرا اور پہاڑوں میں گزرتا تھا اس وقت آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی کائنات پر غور وفکر کرنے اور فطرت کی گود میں رہ کر اس کا قریبی مطالعہ کرنے کے مواقع میسر تھے۔ ان حالات میں بھی جب آپ ﷺ لڑکے تھے اور لڑکوں میں کھیل تماشے کا شوق اس عمر کا عمومی تقاضا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کبھی کسی کھیل تماشے میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھی چرواہے اکثر شہر میں ایسی تقاریب میں شرکت کے مواقع ڈھونڈتے رہتے تھے جہاں راگ رنگ ہو۔ لیکن آپ ﷺ ایسی باتوں سے ہمیشہ بے نیاز رہتے تھے۔ ایک بار اپنے ایک ساتھی چرواہے کے اصرار پر آپ ﷺ نے شہر میں کسی شادی پر گانے بجانے کی مجلس میں شرکت کا ارادہ کر لیا۔ گرمی کا موسم تھا اور جب آپ ﷺ شہر میں پہنچے تو ابھی مجلس منعقد ہونے میں بہت دیر تھی۔ آپ ﷺ تقریب گاہ کے باہر سائے میں انتظار کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور پھر آپ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ جب بیدار ہوئے تو مجلس منعقد ہو کر برخاست ہو چکی تھی۔ بس اس واقعہ کے بعد پھر آپ ﷺ نے ایسی کسی مجلس میں شرکت کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔

اسی طرح تعمیر کعبہ میں شہر کے سارے ہی نوجوان حصہ لے رہے تھے اور آپ بھی پتھر اٹھا اُٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے کہا کہ ''بھتیجے تم خراش سے بچنے کے لیے تہمد اتار کر کندھے پر رکھ لو'' اور جب آپ ﷺ نے اس سے پہلو تہی کی تو انہوں نے از راہِ ہمدردی اور بزرگی خود ہی آپ کا تہمد اتار کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ لیکن آپ فرطِ حیا سے تھرا کر نیم بے ہوشی کی حالت میں زمین پر گر پڑے۔ آپ ﷺ نے اس پر اتنی شدید ندامت محسوس کی کہ پھر اس کا کبھی تصور تک نہ کیا۔

جوانی کا دور انسان کے لیے بڑا رنگین دور ہوتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں ہر شے حسین ودلفریب دکھائی دیتی ہے۔ جوانی کو دیوانی تو کہا جاتا ہے لیکن آپ ﷺ کو قدرت نے ایسی صالح اور سعید فطرت سے نوازا تھا کہ جذبات کا بے قابو ہونا تو درکنار کبھی خیال کا دامن بھی آلودگیوں سے نہ چھوا تھا۔

مکہ کے اس رنگین اور آزاد ماحول میں جہاں قدم قدم پر ہولناکیاں جال بچھائے ہوئے تھیں اور نفس کے لیے تمام رغبتیں اور دلچسپیاں موجود تھیں۔ جہاں سفلی جذبات کی تکمیل وتسکین کے لیے طرح طرح کی آسانیاں معاشرے کے رسم ورواج ہی میں موجود تھیں۔ وہاں آپ ﷺ نے جوانی کا زمانہ اس قدر پاکیزگی، شرافت واحتیاط کے ساتھ گزارا کہ پاکیزگی کا زیادہ سے زیادہ تصور بھی اس معصوم وپاکیزہ جوانی کے مقابلے میں فروتر ہی دکھائی دیتا ہے۔

پھولوں کی پتیاں بہت صاف وشفاف ہیں۔ قوس قزح نہایت معصوم ہے۔ چاندنی بہت اجلی اور بے داغ ہے۔ مگر آپ ﷺ کی جوانی ان سب سے زیادہ معصوم، پاکیزہ اور عفیف تھی۔ جہاں حسن کو بے نقابی کے لیے بتوں کی ضرورت نہ ہو بلکہ معاشرے میں کھلے بندوں متاعِ ایمان پر ڈاکے ڈالنے کی اجازت ہو وہاں عشق کی کشاکش سے بچ نکلنا بہت بڑی سعادت اور حفاظت خداوندی ہے۔ جہاں گلی گلی شراب خانے اور گھر گھر بادۂ ناب کی گردش ہو جہاں قدم قدم پر مئے شبینہ کے جام لنڈھائے جاتے ہوں اور ساقی گری کی لاج رکھنے کے لیے ایمان واخلاق کو بے آبرو کیا جاتا ہو وہاں ایک سعید فطرت انسان کا اس کے ایک قطرے سے بھی اپنے آپ کو پاک رکھنا فرشتوں کی سی صفت ہے۔

جہاں جنگ کھیل ہو اور انسانی خون بہانا ایک تماشا ہو۔ وہاں احترام انسانیت کا علمبردار ایک ایسا نوجوان بھی موجود ہو جس کے دامن پر خونِ ناحق کی ایک چھینٹ بھی نہ پڑی ہو جہاں بتوں کے سامنے سجدہ ریزیاں ہوں۔ غیر اللہ کے سامنے نذر ونیاز ہوں۔ زمانہ حج میں برہنہ طوافِ کعبہ عین شعائر مذہب میں شامل ہو وہاں ابراہیمی فطرت کا ایک انسان پاکیزگی، عفت نگاہی اور توحید پرستی کی تصویر بنا ہوا موجود ہو۔

جہاں قدم قدم پر قمار خانے، بدکاری کے اڈے، داستان گوئی کے چوپال لہو ولعب کی مجالس، گانے بجانے کی محفلیں، حسین وگداز جسموں کی تھرتھراہٹیں اور بانکپنیں، نوجوانوں کا راستہ دیکھتی ہوں وہاں ایک پاکیزہ فطرت ہاشمی نوجوان تزکیہ وطہارتِ نفس کی تصویر بنا ہوا پایا جاتا ہو اور اس کے دامن پر ان خرافات کا سایہ بھی نہ پڑتا ہو تو اسے معجزۂ کردار نہ کہا جائے تو پھر اسے کس لفظ سے تعبیر کیا جائے گا اور یہ کردار اگر انسانوں کے دلوں کو، جو دل نیکی اور پاکیزگی سے متاثر ہوتے اور طہارتِ نفس اور شرافت سے مرعوب ہوتے ہیں، اپنا گرویدہ بنالے تو یہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ یہ نوجوان جس نے ہر خوبی کو اپنے کردار میں سمیٹ لیا تھا اور جو ہر بدی سے دامن کش تھا، جو لوگوں کی آنکھ کا تارا اور ان کے دلوں کا محترم ومکرم مہمان تھا۔ یہی نوجوان دعوتِ اسلامی کا علمبردار تھا۔

یہی سبب ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے جو مکہ کی امیر وکبیر بیوہ تھیں، جب اس نوجوان کو اپنے کاروبار میں آزمایا اور کھرا پایا تو اسے اپنی طرف سے نہ صرف خود نکاح کا پیغام بھیجا، بلکہ بلا کر خود بالمشافہ بھی آپ سے بات پختہ کی۔ اس موقعہ پر انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں اپنے ذاتی تجربے کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

''میں نے آپ کی صداقت اور اچھے اخلاق کی وجہ سے آپ کو پسند کیا ہے اس لیے کہ میں آپ کی صداقت اور کردار سے متاثر ہوگئی ہوں۔'' [ابن اسحاق]

چناں چہ شادی پر خطبہ نکاح پڑھتے ہوئے جناب ابوطالب نے جو بچپن سے آپ ﷺ کے سرپرست چچا تھے آپ کے کردار کے بارے میں گواہی دی۔ حمد وثنا کے بعد انہوں نے فرمایا:

''یہ میرے بھائی کا لڑکا محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے کسی شخص سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر یہ اس سے بڑھا رہے گا۔ ہاں البتہ مال اس کے پاس کم ہے لیکن مال تو ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے اور ایک بدل جانے والی چیز ہے۔ محمد (ﷺ) وہ شخص ہے کہ جس کی میرے ساتھ قربت ویگانگت کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو اس کا مستقبل خدا کی قسم عظیم الشان اور جلیل القدر ہے۔''

اس خطبے کا جواب دیتے ہوئے ورقہ بن نوفل جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی اور ایک مشہور ومعروف عالم وفاضل آدمی تھے۔ انہوں نے کہا:

''حمد وثنا خدا کے لیے ہے۔ بلاشبہ آپ لوگ تمام خصائل کے اہل ہیں کوئی طاقت آپ کے فضل وشرف کو رد نہیں کرسکتی اور بے شک ہم نے نہایت رغبت کے ساتھ آپ کے ساتھ شامل ہونا پسند کیا ہے۔ پس اے قریش گواہ رہو کہ میں خدیجہ بنت خویلد کو محمد (ﷺ) بن عبداللہ کی زوجیت میں دیتا ہوں۔''

شادی کے بعد آپ ﷺ کاروبار میں پہلے سے بھی زیادہ انہماک سے مصروف ہوگئے۔ ان کے ایک کاروباری ساتھی قیس بن سائب نے آپ ﷺ کے بارے میں کہا:

''کاروبار میں میں نے محمد ﷺ سے بہتر ساتھی کوئی نہیں پایا۔ اگر ہم ان کا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر وہ ہمارا استقبال کر کے صرف ہماری خیر وعافیت پوچھتے اور پھر چلے جاتے اور بعد میں حساب دینے پر قطعاً تکرار اور حجت نہ کرتے۔ حالاں کہ دوسرے لوگ سب سے پہلی بات صرف اپنے مال کی کیفیت کے متعلق پوچھتے تھے اس کے برخلاف اگر خود وہ ہمارا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر جب تک پائی پائی بے باک نہ کر لیتے، گھر تک کبھی نہ جاتے۔ اس لیے وہ ہمارے درمیان ''الامین'' کے لقب سے معروف تھے۔''

کاروبار کے سلسلے میں ہی ایک شخص عبداللہ بن الحمساء نے آپ ﷺ سے کہا کہ ذرا ٹھہریے میں ابھی آتا ہوں لیکن وہ جا کر بھول گیا۔ پھر تین دن کے بعد اچانک اتفاق سے وہ ادھر سے گزرا تو آپ ﷺ وہاں وعدے کے مطابق راستے میں ہی اس کے منتظر تھے۔ وہ آپ کو دیکھ کر سخت پریشان ہوا، تو آپ ﷺ نے اسے صرف اتنا کہا ''عبداللہ تم نے ہمیں بہت تکلیف دی۔'' ظاہر ہے کہ یہ اخلاق کسی کو

گرویدہ بنائے بغیر کیسے چھوڑ سکتا ہے۔

جاہلیت میں قبائل عرب میں لڑائیاں چھڑتی تھیں تو برسوں تک چلتی رہتی تھیں۔ ایک بار ''حرب فجار'' کے نام سے لڑائی چھڑی تو برسوں تک وقفہ وقفہ سے چلتی رہی یہاں تک کہ اس خونریزی سے قریش تنگ آ گئے اور ان میں پریشانی اور پشیمانی کے زبردست جذبات پیدا ہوئے۔ چناں چہ قریش میں بنوہاشم کے سردار زبیر بن عبدالمطلب کی تجویز پر ایک ''انجمن قیامِ امن ونگرانی حقوق'' قائم کی گئی۔ اس انجمن میں قریش کے قبائل نے مندرجہ ذیل حلف لیا۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ

''ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، غریبوں کی امداد کریں گے اور زیردستوں کو ظلم سے بچائیں گے۔ اور ظلم کا ہاتھ پکڑیں گے۔''

اس انجمن کے اجلاس میں آپ ﷺ بھی اپنی نوجوانی کے دور میں شامل ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اس کے بعد اپنے دورِ نبوت میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی اس انجمن کے نام سے کوئی کسی کو مدد کے لیے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد پر اپنے آپ کو تیار پاؤں گا۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ انجمن کے اغراض ومقاصد کو پورا کرنے کے لیے جو خالص خدمت خلق کا کام تھا، آپ ﷺ نے کتنی محنت اور ایثار وقربانی سے کام لیا ہوگا۔ اسی خدمت کے نتیجے میں آپ ﷺ اپنی قوم کے اندر بے حد مقبول، امین وصادق اور خادمِ خلق مشہور تھے۔

ایک بار جب سیلاب اور بارش کی شدت سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا تو اہل مکہ نے اس کی نئی تعمیر کا فیصلہ کرلیا۔ پھر ہر شخص اور قبیلہ نے اس سعادت میں حصہ لینے کے لیے پوری یکسوئی سے تعمیر کعبہ میں شرکت کی۔ یہاں تک کہ حجر اسود نصب کرنے کا وقت آ گیا۔ اس وقت ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے ہی حاصل ہو یہاں تک کہ بات تو تو، میں میں سے بڑھ کر تلوار کے دستے تک جا پہنچی۔ حطیم کی تعمیر کرنے والوں نے تو خون کا پیالہ سامنے رکھ کر اس پر حلف لیا کہ وہ اس اعزاز سے کبھی دست بردار نہ ہوں گے۔ بالآخر ایک معمر بزرگ امیہ بن مغیرہ نے رائے دی کہ کسی کو ثالث بنا کر فیصلہ کرلیا جائے۔ چناں چہ یہی طے پایا کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے اسی کو ثالث بنا لیا جائے۔ اس فیصلے کے بعد اچانک آپ ﷺ ہی تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھ کر لوگ دور سے ہی چلانے لگے:

''یہ تو امین آ رہا ہے، ہم اس پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد ﷺ ہے ہم اس کے فیصلے پر رضامند ہیں۔''

حضور ﷺ نے معاملے کو دیکھ کر ایک چادر منگوائی۔ پھر اس چادر میں حجر اسود کو خود رکھ دیا پھر ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ چادر کے کونے کو پکڑ کر اسے اوپر اُٹھائیں یہاں تک کہ پتھر اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا تھا۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اسے اٹھا کر اس کے مخصوص مقام پر رکھ دیا اور اس طرح آپ ﷺ کی تدبیر اور ذہانت سے ایک خونریز خانہ جنگی ٹل گئی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش کو آپ پر اعلانِ نبوت سے پہلے بھی کس قدر اعتماد واعتقاد تھا۔

آپ ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پندرہ سال گزارے تھے جب پہلی وحی کے نزول کا واقعہ پیش آیا تو آپ اس واقعہ سے بے حد پریشان ہوئے۔ یہ ایک نہایت درجہ غیر متوقع انوکھا اور حیران کن تجربہ تھا جس سے آپ کو واسطہ پڑا۔ آپ کانپتے لرزتے گھر واپس آئے۔ آتے ہی اپنی اہلیہ سے فرمایا: ''مجھے اُوڑھا دو، مجھے اُوڑھا دو'' چناں چہ آپ کو کمبل اُوڑھا دیا گیا۔ جب کچھ سکون ہوا اور آپ ﷺ کی خوفزدگی کچھ دور ہوئی تو آپ ﷺ نے سارا واقعہ سنایا اور سخت پریشانی سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''اے خدیجہ یہ مجھے کیا ہوگیا ہے، مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی بیوی تھیں۔ بیوی سے زیادہ شوہر کی خوبیوں اور کمزوریوں سے کون آگاہ ہوتا ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے بارے میں اس وقت جو گواہی دی وہ یہ تھی۔ انہوں نے کہا:

''ہرگز نہیں آپ خوش ہوجایے اے محمد ﷺ! خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر

دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے ہیں، آپ تو اللہ کے نبی ہیں۔'' [ابن سعد، ص: ۱۹۰]

اور پھر حضرت خدیجہ ؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ایک عیسائی عالم وفاضل آدمی تھے۔ اور خود انجیل لکھتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا تھے۔ تو انہوں نے آپ ﷺ کا سارا واقعہ سن کر کہا:

''یہ تو وہی ناموسِ الٰہی (وحی لانے والا فرشتہ ہے) جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں آپ کے زمانۂ نبوت میں قوی اور جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ ہی رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔''

آپ ﷺ نے حیران ہو کر پوچھا: ''کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟''

ورقہ نے کہا:

''ہاں، یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو اگر میں نے آپ کا زمانہ پایا تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا۔''

[تفہیم القرآن، ج: ٦، ص: ٣٩٣]

حضور ﷺ کا بے مثال پاکیزہ کردار کھلی کتاب کی طرح پورے چالیس سال سے قوم کے سامنے موجود تھا۔ اس لیے جب پہلی دفعہ حضور ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے دعوتِ اسلامی پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور لوگوں کو جمع کیا تو سب سے پہلے اپنے کردار پر ہی ان سے گواہی طلب کی۔

آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر لوگوں کو پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو؟''

سب نے بیک آواز کہا:

''ہم نے کبھی کوئی بات غلط یا بیہودہ آپ کی زبان سے نہیں سنی، ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ صادق اور امین ہیں۔''

گویا صادق اور امین کے القاب تھے جو پوری قوم نے آپ کو اعلانِ دعوت اسلامی سے پہلے ہی دے رکھے تھے۔

آپ ﷺ کے کردار سے مکے کے لوگ اور آپ ﷺ کے قریب ترین عزیز بھی اتنے متاثر تھے کہ وہ آپ ﷺ کے لیے نبوت کو بھی بعید نہیں سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہ ؓ کوئی کم عمر خاتون نہ تھیں اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ پندرہ سال گزار کر آپ کے کردار کے ہر پہلو سے خوب آگاہ تھیں۔ غارِ حرا کے واقعہ نے ان کے ذہن کو آپ کے بارے میں کسی برائی کی طرف نہیں بلکہ ایک بلند ترین منصب کی طرف موڑ دیا تھا۔ ورقہ بن نوفل بھی ایک عمر رسیدہ جہاں دیدہ انسان تھے اور آپ ﷺ کی ساری عمر اُن کے سامنے مکہ میں گزری تھی۔ ان کے لیے بھی حضور ﷺ کے کردار کے ساتھ ان پر ناموس الٰہی کا اترنا کوئی بعید از قیاس بات نہ تھی۔

آپ ﷺ کے بلند کردار نے آپ ﷺ کی ذات میں رعب وہیبت کا عنصر بھی پیدا کر دیا تھا۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا تھا کہ مجھے اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ایک ماہ کی مسافت تک رعب سے مدد دی گئی ہے۔

اس بات کا تجربہ ہر شخص کو ہے کہ ایک بلند کردار انسان ہمیشہ اپنے اندر عظمت وہیبت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کا یہی بلند اخلاق اعلیٰ پائے کی دیانت اور پاکیزگی اور شرافت پر مبنی کردار اپنے اندر زبردست طاقت اور قوت رکھتا تھا جس کے سامنے عام حالات میں آسانی سے بولنے کی مجال بڑے بڑے اکھڑ کافروں کو بھی نہیں تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں تو یہ کہا ہی جاتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی مجلس میں زور سے آواز بھی نہ نکالتے تھے اور ہمیشہ دم بخود بیٹھتے تھے۔ جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ مسلمان تو خیر مطیع فرمان لوگ تھے۔ خود ابوجہل جیسے شدید دشمن کو بھی بعض اوقات مجرم ضمیر کے ساتھ بولنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ''اراشی'' نام کا ایک شخص کچھ اونٹ فروخت کرنے کے لیے مکہ شہر میں لایا۔ ابوجہل نے سودا کر کے اونٹ لے لیے لیکن قیمت ادا کرنے میں مسلسل کئی روز تک ٹال مٹول کرتا رہا۔ وہ شخص کئی قریشی سرداروں کے پاس مدد کے لیے گیا اور فریاد کی:

''میں ایک بے وطن مسافر ہوں۔ میرا حق مارا گیا ہے۔

ابوالحکم سے میرا حق دلا دو۔''

لیکن کسی میں ابوجہل سے کہنے کی جرأت نہ تھی۔ ان سرداروں میں سے کسی ایک نے از راہِ مذاق حضور اکرم ﷺ کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان سے کہو۔ یہ تیرا حق دلوا دیں گے وہ ناواقف شخص حضور ﷺ کے پاس جا کر فریادی ہوا۔ حضور ﷺ سارا قصہ سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا:

''میرے ساتھ آؤ۔''

قریش کے سردار خوب دلچسپی سے یہ تماشا دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے جا کر ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

''کون''

اندر سے آواز آئی۔

''میں ہوں محمد ﷺ۔ باہر آؤ۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔

اندر سے ابوجہل برآمد ہوا۔ لیکن اس کا رنگ فق تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس شخص کو اس کا حق فوراً ادا کر دو۔''

ابوجہل خاموشی کے ساتھ اندر گیا اور قیمت لا کر مسافر کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ''اراشی'' نے خوشی خوشی واپس آ کر یہ سارا قصہ قریش کو سنایا۔ تھوڑی دیر بعد ابوجہل بھی آ گیا تو لوگوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا۔

''تجھے کیا ہو گیا تھا۔ ہم نے تو ایسا کوئی نہیں دیکھا۔ یہ تو نے کیا کیا۔ سب نے کہا۔

ابوجہل نے کہا:

''کم بختو، جب اس نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سنی تو رعب اور ہیبت سے میری حالت لکڑی کے ایک پتلے کی سی ہو گئی تھی۔''

آپ ﷺ کے کردار کی بلندی اور صداقت و پاکیزگی کا یہ عظیم ترین نمونہ تھا کہ نبوت کا اعلان کرنے کے بعد بھی قریش نے انتہائی مخالفت اور مزاحمت کے باوجود کبھی آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں کہا اور آپ ﷺ پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا کہ آپ ﷺ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے جس امر کی تکذیب کی وہ آپ ﷺ کی نبوت کی حیثیت کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک بار آپ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل نے دورانِ گفتگو حضور ﷺ سے کہا:

''ہم آپ کو تو جھوٹا نہیں کہتے۔ مگر جو کچھ آپ پیش کر رہے ہیں اسے جھوٹ قرار دیتے ہیں۔''

چناں چہ جنگ بدر کے موقعہ پر اسی ابوجہل سے ایک شخص اخنس بن شریق نے تنہائی میں پوچھا:

''یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا تو موجود نہیں ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم محمد ﷺ کو سچا کہتے ہو یا جھوٹا۔''

ابوجہل نے جواب میں کہا:

''خدا کی قسم! محمد ﷺ ایک سچا آدمی ہے۔ اس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مگر جب بواءَ سقایت، حجابت اور نبوت سب کچھ بنی قصیٰ ہی کے حصے میں آ جائے تو بتاؤ باقی سارے قریش کے پاس کیا رہ گیا۔''

آپ ﷺ کے اسی کردار کی معجزاتی عظمت کی بنا پر قرآن نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اسلام کے مخالفین کو چیلنج دیا:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ﴾ (یونس: ۱۶)

''میں یہ قرآن پیش کرنے سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں۔''

گویا آپ ﷺ کا کردار اس شان کا تھا کہ اسے نبوت کی صداقت کے لیے بطور گواہ کے منکرین قرآن کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی میں سے کوئی ایک واقعہ بھی جھٹلانے کے لیے دلیل کے طور پر پیش کر سکے۔ حضور ﷺ ابتداء ہی سے اخلاق و کردار و عادات میں ہر ایک سے مختلف، ممتاز اور منفرد نظر آتے تھے۔ جھوٹ بدکلامی، گالی فحش بات کسی نے کبھی آپ ﷺ کی زبان سے نہ سنی تھی۔ وہ لوگوں سے ہر قسم کے معاملات کرتے تھے۔ مگر آپ ﷺ کی کسی کے ساتھ بھی تلخ کلامی اور تو تو میں میں کبھی نہ ہوئی تھی۔

آپ ﷺ کی زبان میں ایسی شیرینی تھی کہ ہر کوئی آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ نے کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کی۔ برسوں تک تجارت کرنے کے باوجود کسی کا ایک پیسہ بھی کبھی ناجائز طریقے سے نہیں لیا۔ جن لوگوں سے آپ ﷺ کا معاملہ پیش آیا وہ آپ ﷺ کی دیانت، امانت اور شرافت کے معتقد پائے گئے۔ ساری قوم آپ ﷺ کو امین کہتی تھی۔ دشمن تک آپ ﷺ کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے تھے اور ان امانتوں کی بھی حفاظت کی جاتی تھی۔ بے حیا لوگوں کے درمیان آپ ﷺ شرم وحیا کا مجسمہ تھے۔ بداخلاقوں کے درمیان آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔ بدکاروں کے درمیان آپ ﷺ عصمت وعفت اور پاکیزگی وطہارت کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی شراب اور جوئے کو ہاتھ نہ لگایا۔ غیر شائستہ لوگوں کے ساتھ بھی آپ ہمیشہ شائستگی سے پیش آتے۔ بدتمیزوں سے بھی آپ ﷺ ہمیشہ نرمی اور پاکیزگی کا رویہ رکھتے۔ سنگ دلوں سے نرمی برتتے، ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ یتیموں، بیواؤں، بے کسوں، محتاجوں، فقیروں اور بے نواؤں کی مدد کرتے۔ آپ ﷺ کسی کو دکھ نہ دیتے جب کہ خود دوسروں کے دکھ اٹھاتے۔ جھگڑالو لوگوں کے درمیان آپ صلح پسند تھے۔ فساد وخون ریزی کرنے والوں کے درمیان آپ ﷺ امن پسند تھے۔ مصالحت اور خدمت میں آپ ﷺ پیش پیش ہوتے۔ بت پرستوں کے درمیان آپ ﷺ خدائے واحد کے پرستار تھے اور کسی مخلوق کے آگے سر جھکانے کو تیار نہ تھے۔ اس سارے تنگ وتاریک اور متعفن ماحول میں حضور ﷺ کا کردار ایک ہیرے کی طرح چمکتا اور ایک پھول کی طرح مہکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

یہ وہ معجزہ کردار تھا جو اسلامی انقلاب کی دعوت کے لیے حضور ﷺ کے پاس ایک مؤثر ہتھیار تھا۔ اس ہتھیار کی موجودگی میں دشمنوں کے دل دشمنی میں بھی اندر سے مرعوب اور بھینچے ہوئے تھے اور ان کے لیے کھل کر بے دھڑک دشمنی کرنا سخت دشوار کام تھا۔ اس کردار کی حق پرستانہ کاٹ سے اپنے ضمیر کو صاف بچا کر لے جانا اور اس میں دعوتِ حق کی تخم ریزی نہ ہونے دینا ان کے بس سے باہر تھا۔ حضور ﷺ کے کردار کا یہ عظیم انقلاب آفریں ہتھیار دعوتِ حق کے مخاطب لوگوں پر بڑا اثر انداز ہوتا تھا اور حضور ﷺ کے کردار کی پرزور پھوار سے سعید فطرت لوگوں کے دلوں کی کھیتیاں سرسبز ہوتی چلی جاتی تھیں۔



خُلق عظیم

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ

اخلاق کے تین پیمانے:

اخلاق کے نقطۂ نظر سے آنحضرت ﷺ کی زندگی کن کن عظمتوں اور جامعیتوں کو گھیرے ہوئے ہے؟ اس کا صحیح صحیح جواب تو وہ محدثین کرام اور سیرت نگار حضرات ہی دے سکتے ہیں جنہوں نے چہرۂ رسالت کی ضوافشانیوں سے قرطاس وقلم کو تابانیاں بخشی ہیں۔ قرآن میں تو صرف اصول کی حد تک اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

موضوع کی بے چارگی ملاحظہ ہو کہ دنیا بھر کے قائدین اور مصلحین میں صرف آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہی ایسی ہے جس نے تاریخ کو صحیح معنوں میں تاریخ کا رتبہ عطا کیا ہے، اور جس کی بدولت تاریخ کا تصور نکھرا اور متعین ہوا ہے، جس کی ایک ایک ادا، ایک ایک حکم اور عادت کو حدیث وسیر کی کتابوں میں قلم بند کیا گیا ہے، فکر وعمل کی ایک ایک جنبش سے لذت حکایات کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ یعنی جس کی زندگی اس تفصیل اور اس استیعاب کے ساتھ مذکور ہے کہ کوئی گوشہ بھی تو چاہنے والوں کی نظر شوق سے اوجھل نہیں رہا۔ مگر ہم ہیں کہ آپ ﷺ کی اخلاقی بلندیوں اور نکتوں کا جائزہ صرف قرآن ہی کی حد تک لینے پر مجبور ہیں۔

قرآن کی ان دو آیتوں سے کون آگاہ نہیں جن میں آپ ﷺ کے مرتبۂ اخلاق کی اس طرح نشان دہی کی گئی ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (القلم: ٤)

''تمہیں خلق عظیم سے بہرہ مند کیا گیا ہے۔''

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ٢١)

''تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین اسوہ ہے۔''

مگر یہ ''خلق عظیم'' کیا ہے اور اسوۂ حسنہ اخلاق وعادات کی کن کن نوعیتوں کا غماز ہے؟ اس تفصیل کو جاننے کے لیے ہم تین زاویہ ہائے نظر پیش کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہی تین کسوٹیاں ہیں، جن سے کسی شخص کی عظمت کردار کا حقیقتاً اندازہ ہوتا ہے۔

۱: آپ ﷺ کا اپنے اعزہ اور گھر والوں سے برتاؤ کیسا تھا؟
۲: اپنے عقیدت مندوں سے تعلق ومعاملہ کی بنیاد کس اصول پر تھی؟
۳: مخالفین سے کس شائستگی سے پیش آتے تھے؟

پہلا پیمانہ:

آیئے قرآن کی روشنی میں ان تینوں سوالوں کا جواب تلاش کریں۔

اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ آنحضرت ﷺ نہایت درجہ شفقت ومحبت کا معاملہ روا رکھتے تھے۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور بالخصوص اپنے اعزہ اور برادری کے لوگوں کو مخاطب ٹھہرایا تو انہیں تعلقات کا واسطہ دیا:

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ﴾

''کہہ دو میں تم سے صلے کا طالب نہیں، مگر قرابت کی محبت تو چاہیے۔'' (الشوریٰ: ٢٣)

یعنی جب عام دنیوی سلوک میں میں نے ہمیشہ قرابت داری کا خیال رکھا ہے اور تعلق ورشتے کی نزاکتوں کو نباہا ہے، تو دین کے معاملے میں دشمنی اور عداوت کیسے ممکن ہے۔

دوسرا پیمانہ:

انسانی تعلقات کا سب سے چھوٹا اور مختصر ترین دائرہ اگرچہ انسان کی ازدواجی زندگی کا دائرہ ہی ہے، مگر اخلاقی اعتبار سے اسی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیوں کہ زندگی کا یہی وہ گوشہ ہے جس میں

انسان کے حقیقی اخلاق کا مظاہرہ ہوتا ہے، اور جہاں کوئی ملمع، بناوٹ اور تصنع حقائق پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔

اس دائرے میں آپ ﷺ کس درجہ کامیاب وکامران تھے؟ یا ازواج مطہرات کے حقوق وفرائض کی نگہداشت کا آپ کو کتنا خیال رہتا تھا؟ اس کی پوری پوری وضاحت تو کتب حدیث میں ملے گی، جن میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی شخصیت اور محبوبیت نے، ازواج مطہرات کے دل میں، احترام وادب کے کن کن داعیوں کو بیدار کر رکھا تھا، مگر ایک اجمالی سا اشارہ اس آیت میں بھی موجود ہے:

﴿تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۚ﴾ (تحریم: ۱)

''اپنی بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو۔''

ہم جانتے ہیں یہ آیت محل زجر میں ہے۔ تاہم اس میں اس حقیقت کا اظہار بہرحال پایا جاتا ہے کہ آنحضرت باوجود، مقام نبوت کی بلندیوں کے ازواج مطہرات سے وہی برتاؤ روا رکھتے تھے جو ایک معقول شوہر اپنی محبوب بیبیوں سے روا رکھ سکتا ہے۔

تیسرا پیمانہ:

آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے پیروؤں اور حلقہ بگوشوں سے رشتہ وتعلق کو جس بنیاد پر استوار کرتے ہیں، وہ برابری اور اخوت ورفاقت کی انسانی بنیاد ہے، حالاں کہ اگر آپ چاہتے تو اس سے کہیں زیادہ عقیدت ونیازمندی کے جذبات کو اکسا سکتے تھے، مگر اس میں اس پندار اور کبریائی کا شائبہ تک پایا نہیں جاتا جو عام طور پر ان لوگوں میں پیدا ہوجاتا ہے، جو سیادت وارشاد کی اونچی مسندوں پر فائز ہوجاتے ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

''مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

یہی نہیں، آپ ﷺ کی شفقت ومحبت اور تعلق خاطر کے پیمانے اس سے بھی سوا ہیں۔

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ﴾ (آلِ عمران: ۱۵۹)

''اللہ کی خاص مہربانی سے تمہاری افتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے۔''

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے، تمہاری فلاح وبہبود کے بہت آرزومند ہیں، اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔'' (التوبۃ: ۱۲۸)

یعنی اپنی امت سے اس درجہ ہمدردی والفت ہے کہ ان کی ادنیٰ تکلیف بھی مزاج گرامی پر گراں ہے۔

کہیے، مرید اور مرشد میں تعلق ورشتے کی یہ نوعیت، دل سوزی اور احساس کہیں اور بھی آپ نے دیکھا؟ اپنوں سے برتاؤ اور سلوک کا یہ انداز بہت اونچا سہی، مگر بہرحال ممکن ہے۔

چوتھا پیمانہ:

اب دیکھنا یہ ہے کہ مخالفین سے راہ ورسم کا کیا رنگ ڈھنگ ہے؟ اور ان سے جب بات چیت ہوتی ہے تو کیا اصول مدنظر رہتا ہے؟ قرآن نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾ (المؤمنون: ۹۶)

''بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔''

دشمن سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا کتنا مشکل کام ہے۔ قرآن نے اس کا اعتراف فرمایا ہے:

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝﴾ (حم السجدۃ: ۳۵)

''اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انہی کو نصیب ہوتی ہے، جنہیں اخلاق سے بہرہ وافر ملا ہے۔''



بدعات ورسوم

قسط نمبر (۱)

میلاد نبوی ﷺ اور موضوع روایات

افادات: مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ ......مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ

مجالس ذکر حضور ﷺ کی فضیلت:

مولود کی مجالس کا عجیب حال ہے۔ مقصد مجالس کے لحاظ سے دیکھئے تو فقیر کے اعتقاد میں اس سے زیادہ اہم، عظیم المنفعۃ اور قوم کے لیے ذریعہ ارشاد وہدایت اور کوئی اجتماع نہیں۔ لیکن طریق انعقاد پر نظر ڈالیے تو اجتماعی ومجلسی قوتوں کے ضائع کرنے کی بھی اس سے زیادہ اور کوئی افسوس ناک مثال نہیں ملے گی۔ اسلام ایک تعلیم تھی اور اس تعلیم کا عملی نمونہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کہ

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾

''بے شک رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے پیروی اور اتباع کا بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ڈرنے اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بہ کثرت ذکر کرنے والے ہیں۔'' [الاحزاب: ۲۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ اس ''صاحب خلق عظیم'' کا اخلاق کیا تھا؟ فرمایا: خلقہ القرآن! اگر آنحضرت ﷺ کا اخلاق دیکھنا ہے تو قرآن کو دیکھ لو کہ اس ''کتاب مرقوم'' کا وہ ایک ''ظل مجسم'' اور اس کے عملی نمونے کی ایک ''لوح محفوظ'' ہے!

﴿وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ [المطففين: ٢٦]

''اور اس میں چاہیے رغبت کرنے والے رغبت کریں۔''

اصل مقصد کیا تھا؟

پس مولود کی مجلسوں کا اصلی مقصد یہ ہونا تھا کہ وہ اس ''اسوۂ حسنہ'' کے جمال الٰہی کی تجلی گاہ ہوتیں۔ آنحضرت ﷺ کے صحیح حالات زندگی سنائے جاتے۔ ان کے اخلاق عظیمہ اور فضائل کریمہ کے اتباع کی لوگوں کو دعوت دی جاتی اور ان اعمال کا دلوں میں شوق وولولہ پیدا کیا جاتا، جو ایک ''مسلم ومومن'' زندگی کے کیریکٹر کا اصلی مایۂ خمیر ہیں اور جن کے اتباع نے صحابہ کرام کی زندگی کو اس درجہ تک پہنچا دیا تھا کہ لسان الٰہی نے ﴿يحبهم ويحبونه﴾ کی صدائے محبت سے ان کی مدح سرائی کی اور اتباع محبوب نے انہیں خود محبوب بنا دیا۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (آل عمران: ٣١)

''اے پیغمبر! مدعیان محبت الٰہی سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو اللہ کی محبت کے دعوے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) خود اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ وہ نہایت مہربان بخشنے والا ہے۔''

اگر ایسا ہوتا تو ظاہر ہے کہ ان مجالس سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیے سعادت کونین کا ذریعہ اور کیا تھا؟ یہ تمام کانفرنسیں، اور انجمنیں جن کا چاروں طرف ہنگامہ بپا ہے، ایک طرف اور اس مجلس کا ایک لمحہ ایک طرف، جو اس ''اسوۂ حسنہ'' کے نظارے میں بسر ہو۔ ہماری مجلسیں اسی ذکر کے لیے ہونی چاہئیں اور ہماری آنکھیں اسی جمال جہاں آرا کے نظارے کے لیے:

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشاں کا

ولنعم ما قیل:

مصلحت دید من آن است کہ یاران ہمہ کار
بگزارند و خم طرۂ یارسے گیرند!

صورت قائم، حقیقت مفقود:

لیکن بدبختی یہ ہے کہ ہمارے اعمال کی صورتیں مسخ نہیں ہوئیں

حقیقت غارت ہوگئی ہے۔قوی تنزل کے معنی یہی ہیں کہ تمام قویٰ و دینی اشغال بہ ظاہر قائم رہتے ہیں، لیکن ان کی روح مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ ہماری مسجدیں اجڑ گئی ہیں۔ کتنے جھاڑ اور فانوس ہیں، جن سے مسجدیں بقعۂ نور بنائی جاتی ہیں! مگر رونا یہ ہے کہ دل اجڑ گئے ہیں اور یہ وہ بستی ہے کہ جب یہ ویران ہو جائے تو پھر آبادی کہاں؟

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ! تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج: ٤٦)

''پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں، جو سینوں میں ہیں۔''

مجھے کیا کہنا تھا اور کیا کہنے لگا۔ بہر حال مولود کی مجلسیں بھی اپنے مقصد کے لحاظ سے ایک بہترین دینی عمل تھیں، جن کی صورت تو قائم ہے، مگر حقیقت مفقود ہے۔ محض ایک رسمی تقریب ہے جو مثل اور رسمی صحبتوں کے ضروری سمجھ لی گئی ہے اور امراء و رؤسا نے تو اپنی نمائش اور ریائے دولت کا اسے بھی ایک ذریعہ بنالیا ہے۔

روایات ضعیفہ وقصص موضوعہ:

آنحضرت ﷺ کے صحیح حالات زندگی اور ان انقلابات عظیمہ کے بیان کی جگہ (جو آپ کی ولادت کے واقعے نے مشرق و مغرب میں پیدا کر دیے) کتنے افسوس کی بات ہے کہ محض چند روایات ضعیفہ وقصص موضوعہ کے بیان کرنے پر اتنے بڑے ملی و دینی جذبے کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ پھر اگر محض طبقہ عوام کا یہ حال ہو تو قابل شکایت نہیں، لیکن تعجب اور صد ہزار تعجب ہے اس بوالعجبی پر کہ صدہا علمائے ملت ہیں، جو باوجود ادعائے رسوخ حدیث وسیر و وسعت نظر و علم، ان روایات کو خاموشی کے ساتھ سنتے ہیں۔ خود پڑھتے ہیں اور لوگوں سے پڑھواتے ہیں۔ مگر ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے دل میں تحقیق و تفتیش کی جنبش پیدا نہیں ہوتی:

کاش! جس قدر بحث نفس انعقاد مجلس کے سنت و بدعت ہونے کی نسبت کی گئی ہے، وہ اس مجلس کی اصلاح حال کے لیے کی جاتی۔ وہ تمام چیزیں جو قوم میں شوق و شغف کے ساتھ موجود ہوں، درحقیقت ایک قوت ہیں۔ پس سب سے اوّل کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اسٹیم کو ضائع کرنے کی جگہ اس سے مفید کام لیا جائے۔ البتہ اگر اصل کار ہی جادۂ شریعت سے منحرف ہو اور صورت اصلاح مفقود تو پھر اس کے استیصال کی کوشش امر بالمعروف میں داخل اور ناگزیر ہے۔

مذہب کے نادان حامی:

درحقیقت یہی وہ مذہب کے نادان حامی ہیں جن کی دوستانہ حمایت ہمیشہ دشمنوں کی مخالفت سے زیادہ مذہب کے لیے مضر رہی ہے۔ موضوع روایات کا انکار نہ تو نیچیریت ہے اور نہ الحاد، بلکہ عین شیوۂ اسلام و ایمان ہے اور ہر صاحب نظر جس کو فن حدیث و سیر سے کچھ بھی خبر ہوگی، ایک لمحہ کے لیے بھی ان روایات کو تسلیم نہیں کرے گا۔

بہت سے لوگ ہیں جو تشدد مذہبی اور تعصب دینی کو علمائے حال کی طرف منسوب کرتے ہیں اور برسوں سے اس پر زور دے رہے ہیں لیکن میں اسے صحیح نہیں سمجھتا۔ مجھ کو تو شکایت ہے کہ جس درجہ تشدد مذہبی علماء میں ہونا چاہیے، افسوس ہے کہ نہیں ہے۔ صدہا امور ایسے ہیں جن میں صاف طور پر ان کے بے جا تسامح و مداہنت کو دیکھ رہا ہوں اور حق و معروف کے اعلان سے دانستہ اعراض کیا جا رہا ہے۔ البتہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، جن میں تشدد کا اظہار ہوتا ہے، چوں کہ یہ اظہار بے محل ہوتا ہے، اس لیے محض رائیگاں جاتا ہے بلکہ اکثر موقعوں میں اور مضر ہوتا ہے۔

ایک بڑا نکتہ:

ایک بہت بڑا نکتۂ عمل یہ ہے کہ ہر قوت کا استعمال اس کے صحیح محل میں ہو۔ آپ اسٹیم کو جس سے سمندروں میں جہاز، خشکی پر ریل اور کارخانوں میں مشینیں چلتی ہیں، ٹاٹ کی بوریوں میں بھر کر غبارہ بنانے کی کوشش نہ کیجیے ورنہ آپ کی قوت اور سعی دونوں رائیگاں جائیں گی۔

یہ اس ذکر کے چھیڑنے کا وقت نہیں ورنہ بجائے خود ایک داستان طولانی ہے۔ اپنی مصیبتوں کا حال یہ ہے کہ چادر کا کوئی گوشہ دھبے سے

خالی نہیں۔ کس کس چیز کو بیان کیجیے؟ کس کس کے حال پر روئیے؟ پھر اتنا وقت کہاں سے لائیے؟

آسودہ شبے باید وخوش مہتابے
تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

معیار صحت روایات:

لیکن ان روایات کی صحت وعدم صحت کی نسبت زمانہ حال کے مدعیان تحقیق واجتہاد اور رہروان جادۂ تطبیق عقل ونقل برسوں سے مبتلا ہیں۔ بار بار یہ سوال کو دہرایا جاتا ہے کہ اگر یہ روایات صحیح ہیں تو کیا عقل میں آ سکتی ہیں؟ جواباً گزارش ہے کہ روایات تو یقیناً صحیح نہیں، لیکن یہ اصول بھی کب صحیح ہے کہ جو واقعہ کسی کی عقل میں نہ آئے، وہ یکسر غلط اور موضوع ہو؟

یہ واقعات اصول فن روایت کی بنا پر کہاں تک صحیح اور قابل قبول ہیں؟ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اتنا یہ کہاں کا اصول تحقیق اور معیارِ تمیز حق وباطل ہے کہ واقعے کی صحت کے لیے پہلی شرط عقل کی تصدیق ہے؟ لوگ آج کل بے تکلف یہ جملہ کہہ دیا کرتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ کیسی خطرناک سوفسطائیت کی راہ ہے، جو اس طرح آپ کے سامنے کھل جاتی ہے؟ ہر واقعے کی صحت وعدم صحت کے لیے پہلی چیز اصول روایت اور صحت نقل کی شرائط کا اجتماع ہے اور بس، نہ کہ زید وعمرو کی عقل میں آنا۔

صحیح راہِ عمل:

آپ کو معلوم نہیں یہی وہ سرحد ہے جہاں سے (باجود اتحاد مقصد واصول) مجھے آج کل کے مصلحین مذہب سے الگ ہو جانا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ حال ہے جس حدیث اور جس روایت کو اپنے خود ساختہ معیار عقلی سے ذرا بھی الگ پاتے ہیں معاً اس سے انکار کر دینے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں اور پھر اس انکار محض کو "تطبیق منقول ومعقول" کے مرعوب کن لفظ سے تعبیر کرنے کے علانیہ تمسخر سے نہیں شرماتے۔

﴿وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝﴾ (نور: ۱۵)

"تم اپنے منہ سے وہ بات کہتے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا اور تم اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بھاری بات تھی۔"

حالاں کہ اگر ان کو علوم دینیہ کے حصول کا موقع ملا ہوتا اور علم وفن پر نظر ہوتی تو وہ دیکھتے کہ اسی مقصد کو اصولِ فن کے ساتھ چل کر بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

کیا ضرورت ہے، اِن روایات کی محض اس وجہ سے تغلیط کر دی جائے کہ وہ ہماری عقل میں نہیں آتیں، جبکہ اصول مقررۂ حدیث وآثار وطریق جرح وتعدیل روایت وتحقیق ونقد درایت وشہادات موثقہ اربابِ علم وفن کی بنا پر بغیر ادنی دقت کے ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ روایات ہی پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں اور اصولِ فن کے اعتبار سے لائق احتجاج نہیں۔ اس طرح بغیر سررشتہ اصول کو ہاتھ سے دیے، اسی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

انکار کی جداگانہ بنیادیں:

میں کہتا ہوں کہ بہت سی باتیں ہیں، جن سے انکار کرنے میں ممکن ہے مصلحین حال اور ہم متفق ہوں، لیکن پھر بھی ہم میں اور ان میں بعد المشرقین ہے۔ وہ محض اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ ان کی عقل میں نہیں آتی اور ہم اس لیے انکار کرتے ہیں کہ اصولِ فن سے ان کا قابل تسلیم ہونا ثابت نہیں۔

﴿فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

"ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی۔ اگر تم علم وبصیرت رکھتے ہو؟" (انعام: ۸۱)

آپ کہیں گے کہ نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ میں کہوں گا منزل تک پہنچنے ہی پر سفر کی کامیابی موقوف نہیں، بلکہ بہت کچھ راہ سفر کے تعین وانتخاب پر بھی ہے۔

آج کل کے مصلحین اور علمائے حق:

صدہا ایسی باتیں ہیں کہ آج کل کے مصلحین بھی کہتے ہیں اور

انہیں کو امام غزالی اور شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہما نے بھی کہا ہے، مگر دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ایک سے الحاد پرورش پاتا ہے اور دوسرے سے مذہب کو تقویت ہوتی ہے، حالاں کہ مقصود پہلی جماعت کا بھی تقویت مذہب ہی ہے۔ یہ فرق حالت بھی زیادہ تر اسی اختلاف طریق کا نتیجہ ہے۔ لوگوں کو شکایت ہے کہ علماء آج کل کی چیزوں پر متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ سچ ہے، مگر اس کو بھی تو دیکھئے کہ لوگوں نے ان کی نظروں کو متوجہ کرنے ہی کا کون سا سامان کیا ہے؟ لوگ دیکھتے ہیں کہ جس چیز کو آپ ''تطبیق عقل ونقل'' کہتے ہیں، وہ صرف ایک تیز وبرق خرام قینچی ہے جس کو اٹھایا اور بے تکان قطع وبرید شروع کردی۔ نہ علم وفن سے مس ہے، نہ اصول وقواعد کی خبر ہے، نہ کتابوں پر نظر ہے اور نہ اس زبان سے واقفیت ہے، جس سے قرآن وحدیث کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ پھر وہ آپ کی وقعت کریں تو کیا کریں؟

گو میں اپنے عقیدے میں اس اغماض کو بھی علماء کی ایک سخت غلطی سمجھتا ہوں اور بیان وجوہ کا یہ موقع نہیں۔ تاہم اگر وہ اپنے اغماض کی یہ توجیہ کریں تو کیا جواب ہوگا؟

میں جو ہمیشہ شیخ محمد عبدہ ؒ اور ان کے متبع طریقت سیّد رشید رضا کی تعریف کرتا ہوں تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہ نسبت ہندوستان کے مصلحین جدید کے اس نکتے کا زیادہ خیال رکھا ہے، حالاں کہ ضرورت ان کے سامنے بھی وہی تھی، جو یہاں درپیش ہے۔

طبقہ محدثین اور گروہ قصاص:

عقل وتفلسف کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔ سرے سے یہ تمام روایتیں ہی از قبیل قصص وحکایات موضوعہ ہیں، جن کا کتب معتبرۂ حدیث میں نام ونشان تک نہیں۔

تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں مگر چند الفاظ کہوں گا۔ یہ کیسی سخت بد بختی کی بات ہے کہ آج مسلمانوں میں جن چیزوں کی سب سے زیادہ شہرت اور عوام وخواص میں جو بیانات سب سے زیادہ مقبول ہیں، وہی سب سے زیادہ غیر معتبر اور ناقابل تسلیم بھی ہیں۔ یہ حال ہر علم وفن کا ہے۔ تاریخ میں وہی کتابیں اور انہیں کتابوں کی حکایتیں مشہور ومقبول ہیں، جن کے بعد ہمارے یہاں خرافات واکاذیب کا کوئی درجہ نہیں۔ سیر وفضائل میں بھی انہیں کتابوں کو قبول عام حاصل ہے، جن کے مصنف محدثین کی جگہ قصاص وواعظین تھے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ قدماء کی کتابوں پر نظر نہیں اور ہر علم وفن میں تمام تر دار ومدار متاخرین پر ہے۔ یہ لوگ محض حاطب اللیل تھے اور چند کتابوں سے رطب ویابس روایات کو کسی ترتیب تازہ کے ساتھ جمع کردینا ہی ان کی قوت تصنیف کا سدرۃ المنتہیٰ تھا۔

میں نے ''قصاص وواعظین'' کا لفظ کہا، یعنی مذہبی قصص وحکایات سے گرمی محفل کا کام لینے والے واعظ۔ فی الحقیقت یہ طبقہ ہمارے یہاں ابتدائے سرچشمہ موضوعات ومبدء جمیع اقسام افتراء ومکذوبات وینبوع خرافات وحکایات رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے وعظ وبیانات کو انظار عوام میں دلفریب وپرکشش بنانے کے لیے مجبور تھے کہ قصص وحکایات کی تلاش وجستجو میں رہیں اور اگر میسر نہ آئیں تو خود وضع کریں۔

﴿يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۷۹)

''اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

پھر یہ لوگ اسی طرح کی تمام روایتوں کو شاعرانہ اغراق وتغلیب اور داستان طرازانہ، اضافہ وتحشیہ کے ساتھ اپنی مجلسوں میں بیان کرتے تھے اور رفتہ رفتہ مرض متعدی ہو جاتا تھا۔

علی الخصوص متاخرین ایران میں بعض لوگوں نے وعظ گوئی کو ایک مستقل فن بنا دیا اور چوں کہ قابل اور اہل قلم بھی تھے، اس لیے اپنی مجالس کو کتب سیر وقصص کی صورت میں مدوّن بھی کردیا۔

اَضَلُّوْا فاضلوا، فویل لهم ولا تباعهم.

''وہ گمراہ ہوئے پس وہ گمراہ ہوئے۔ افسوس ان پر اور ان کے پیرووں پر۔''

مثلاً ملا حسین واعظ کاشفی اور ملا معین الدین ہروی انہیں لوگوں میں سے تھے۔ علی الخصوص آخر الذکر شخص جو فی الحقیقت انشا پردازی،

حکایت طرازی، اقتباس روایات ضعیفہ وموضوعہ، تاویلات رکیکۂ قرآن وسنت اور عبور ورسوخ اسرائیلیات وروایات یہود میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

مولود کی اردو کتابوں کے مآخذ:

شاید بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ آج اردو زبان میں جس قدر مولود لکھے گئے ہیں اور رائج ہیں وہ سب کے سب بے واسطہ یا بالواسطہ اسی ملا معین ہروی کی کتابوں ''معارج النبوۃ''، تفسیر سورۃ یوسف موسوم بہ ''نقرہ کار''، قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موسوم بہ ''اعجاز موسوی'' وغیرہا سے ماخوذ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان کتابوں میں بعض حصے نہایت دلچسپ اور قابل دید ہیں مثلاً وہ صوفیانہ وعارفانہ لطائف ونکات آیات واحادیث، جو اقوال ومرویات صوفیہ سے لیے گئے ہیں یا خود اس نے پیدا کیے ہیں تاہم ان لطائف کو کیا کیجیے کہ اصل موضوع ہی سرتا سر ینبوع خرافات ہے۔

یہ لوگ ان میں سے اکثر چیزوں کے خود موجد نہ تھے، بلکہ اپنی جماعت کے پیشرو افراد کے متبع، لیکن فارسی میں لکھ کر اور کتب مجالس ووعظ شائع کر کے ان لوگوں نے تمام موضوعات وخرافات کو ایران وہند میں پھیلا دیا۔ چوں کہ عوام بالطبع اس غذا کے خواہاں رہتے ہیں، بغیر کسی دقت کے انہیں قبول عام حاصل بھی ہوگیا۔ والقصہ بطولہا

[جاری ہے]



ماموں کانجن ضلع فیصل آباد کی سالانہ کانفرنس کا التوا

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کی سالانہ اہل حدیث کانفرنس جو ۱۸، ۱۹ مارچ ۲۰۱۱ء کو منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر ملتوی کردی گئی ہے۔ احباب جماعت وقارئین مطلع رہیں۔ (انتظامیہ جامعہ ہذا)



مولانا عبدالقادر ندوی حفظہ اللہ کے لیے دعائے صحت

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن ضلع فیصل آباد کے رئیس محترم حضرت مولانا عبدالقادر ندوی حفظہ اللہ بعض عوارض کے باعث علیل ہیں۔ احباب جماعت سے گزارش ہے کہ موصوف کی صحت کاملہ وعاجلہ کے لیے خصوصی دعائے صحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(حفیظ الرحمٰن، دفتر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن)



توجہ فرمائیں

ایک آدمی سر کی تکلیف میں مبتلا ہے جس کا سر بیماری یا جادو وغیرہ کی وجہ سے ہر وقت جکڑا ہوا رہتا ہے۔ اور پیچھے سے سر پھول گیا ہے۔ اگر کسی کے علم میں اس کا علاج ہو تو بتا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(عثمان بھٹہ 0232-4685565)

ضرورت رشتہ

① بیٹی عمر ۲۲ برس، تعلیم ایم اے بی ایڈ، قد 5,8'، قوم راجپوت، دراز قد، سمارٹ۔

② بیٹی عمر ۱۹ برس، تعلیم ایف اے، قد 5,4' الہدیٰ انٹرنیشنل ۴ سالہ شریعہ کورس، خوب صورت، خوب سیرت، امورِ خانہ داری میں ماہر کے لیے برسر روزگار، تعلیم یافتہ معزز خاندانوں سے رشتے درکار ہیں۔ سرپرست یا والدین ہی رابطہ کریں۔

(رابطہ نمبر: 0300-8051043 - 03215550486)

مشاہیر نامہ

زبدۃ البخاری سے متعلق تین مکتوب

اس فقیر نے ''الاعتصام'' میں ''زبدۃ البخاری یا انکار البخاری'' کے عنوان سے جو گزارشات پیش کی تھیں، اس کے متعلق متعدد اصحاب علم کے مکتوباتِ گرامی مجھے ملے ہیں، ان میں سے تین ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔ ملاقات اور ٹیلی فون پر تو بہت سے حضرات نے اس فقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ پہلا خط مولانا افتخار احمد ازہری کا موصول ہوا جو ۱۷ جنوری ۲۰۱۱ء کو لکھا گیا۔

☆............(۱)............☆

محترم المقام جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته!

کافی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آں جناب کو ایک عریضہ لکھوں لیکن آج کل راشدی خاندان کے عظیم چشم و چراغ حضرت سیّد ابوالقاسم محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کی شخصیت پر ایک ''محدث العصر'' نمبر کی تیاری میں مصروف تھا۔ (جس میں آپ کا مضمون سب سے نمایاں ہے) اس وجہ سے لکھ نہ سکا۔

آج مؤرخہ ۱۷ جنوری ۲۰۱۱ء کو آپ کا ایک مضمون بہ عنوان ''زبدۃ البخاری یا انکار البخاری'' ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں پڑھا۔ دل باغ باغ ہو گیا۔ فوراً کاغذ اور قلم لیا اور آپ کو شکریہ کا خط لکھنے بیٹھ گیا۔ بھٹی صاحب آپ نے اس کتاب (زبدۃ البخاری) پر بروقت گرفت کر کے محدثین کے عظیم کام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید دفاع حدیث کی توفیق دیں۔ ان شاء اللہ آپ آئندہ بھی اسی طرح ''طائفہ زبدیہ'' کا پوسٹ مارٹم جاری رکھیں گے۔ میں خود جامعہ میں گزشتہ دس سالوں سے بخاری شریف کا درس دے رہا ہوں اور ہر سال ایک نئی شرح کا مطالعہ کرتا ہوں۔ یقین کریں امام بخاری رحمہ اللہ کے تراجم ابواب سے ہر شارح ایک انوکھا نقطہ اخذ کرتا ہے۔ اس سے دل کو راحت ہوتی ہے اور امام بخاری کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ اب ''طائفہ اختصاریہ'' لوگوں کے وقت بچانے کے واسطے عیاں ہوا ہے۔ اس طائفے کو عوام کے وقت سے بہت محبت ہے۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ (آمین)

اس طرح کا ایک عمل کچھ عرصہ پہلے راولپنڈی میں ہوا تھا۔ لیکن میرا قلم بے جان اور میری شخصیت گم نام ہے، اس وجہ سے میں خاموش رہا۔ انھوں نے بھی صحاح ستہ کا اختصار کیا اور پوری جماعت سے داد وصول کی۔ خود امیر محترم نے ان کو چاندی میں تولا، حالاں کہ انھوں نے انتیس ہزار احادیث کا نو ہزار احادیث میں اختصار کر دیا۔ اب بتایئے اگر کوئی انتیس ہزار دفعہ اللہ کے نبی (ﷺ) کا اسم گرامی پڑھے گا تو وہ ہر بار ﷺ پڑھے گا لیکن انھوں نے لوگوں کو اس اجر سے محروم کر دیا۔

قال رسول الله ﷺ من صلى على واحدة صلى الله عليه عشراً.

دلیل کے طور پر خط کے ساتھ مختصر صحاح ستہ کا اشتہار منسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ سے نوازے۔ (آمین) والسلام

افتخار احمد ازہری جامعہ بحر العلوم، میر پور خاص (سندھ)

جناب مولانا افتخار احمد ازہری صاحب! اللہ کے فضل سے آپ کا قلم بھی جان دار ہے اور آپ کی شخصیت بھی ماشاء اللہ پورے ملک میں مشہور ہے۔ آپ صوبہ سندھ کی معروف جامعہ کے بانی اور شیخ الحدیث ہیں۔ آپ نے پہلے حضرت سیّد بدیع الدین شاہ راشدی کے حالات میں اپنے مجلّے ''بحر العلوم'' کا شیخ العرب والعجم نمبر شائع کیا جو ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اب ان کے بڑے بھائی حضرت سیّد محبّ اللہ شاہ راشدی کے حالات

میں ''محدث العصر نمبر'' شائع کر رہے ہیں۔ یہ بڑی ہمت کا کام ہے، مجھے مختصر صحاح ستہ کا بالکل علم نہ تھا۔ آپ نے اس سے مطلع فرمایا۔ بہت بہت شکریہ۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ صحاح ستہ کی کل انتیس ہزار حدیثوں میں سے چوبیس ہزار حدیثیں نکالی گئی ہیں، وہ کن کن مسائل سے تعلق رکھتی ہیں۔

نماز، روزے، زکوٰۃ، جہاد، طہارت، نکاح، طلاق، تفسیر وغیرہ کس کس موضوع کی حدیثوں کو صحاح ستہ سے نکالا گیا ہے اور جو نو ہزار ان حضرات کی مہربانی سے بچ گئی ہیں، وہ کس کس موضوع کی ہیں۔ ماشاءاللہ یہ کارنامہ سرانجام دینے والے مولانا طالب الرحمٰن صاحب کو چاندی میں تولا گیا ہے اور سنا ہے کہ وہ ۸۴ کلو سے زیادہ چاندی تھی۔ اس کی تفصیل کا مجھے علم نہیں۔ لیکن میں اس قسم کے کاموں سے اتفاق نہیں کرتا جو اسلاف کے نقطۂ نظر کے ہم آہنگ نہ ہوں۔ مختصر صحاح ستہ کے متعلق تفصیل معلوم کر کے ان شاءاللہ اپنی گزارشات پیش کروں گا۔

☆............(۲)............☆

اب دوسرا خط مولانا حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی کا پڑھیے۔ حافظ صاحب جامعہ سلفیہ کے استاذ اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ نہایت اہم خط ہے جو انھوں نے ۱۸ جنوری کو ارسال فرمایا۔

جناب محترمی و مکرمی حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب زاد اللہ عزکم و شرفکم۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته!

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و ایمان سے مزین عافیت والی لمبی زندگی عطا فرمائے، آمین۔

گزارش ہے کہ ہفت روزہ الاعتصام میں آپ کا مضمون ''زبدۃ البخاری یا انکار البخاری'' پڑھا۔ ماشاءاللہ آپ نے ایک اہم مسئلے پر بروقت قلم اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جناب محترم! ایک عرصے سے امت مسلمہ میں ایک طبقہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی ضرورت سے انکاری ہے اور امت میں احادیث کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے کوشاں بھی۔ کبھی وہ اس کے ظنی ہونے کا راگ الاپتا ہے تو کبھی درایت کا سہارا لیتا ہے۔ پھر کچھ عرصے سے وہی طبقہ جدیدیت یا روشن خیالی کی آڑ میں تعارض اور تضاد کے نام سے حدیث پر عمل کرنے سے نہ صرف انکاری ہے بلکہ اسے دقیانوسی اور قدامت پسندی جیسے نام دے کر امت کو بھی عمل گریزی کی ترغیب دیتا ہے۔ صرف ایک جماعت اہل حدیث تھی کہ جس نے تمام قسم کے شبہات اور فاسد خیالات کو نہ صرف تسلیم نہ کیا بلکہ ایسے لغو اعتراضات کا تقریری اور تحریری صورت میں ردّ کرتے ہوئے ذخیرۂ احادیث کا دفاع کیا، اسے مکمل ضابطہ حیات گردانتے ہوئے اس کی تعلیمات کو عام کیا، اور اس کی تدریس کا خصوصی اہتمام کیا۔ اہل حدیث کی اس بے مثال اور مسلسل جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقوال و آراء الرجال کے مقابلے میں احادیث پیغمبر ﷺ کو درخور اعتنا نہ سمجھنے والے بھی آج اپنے مدارس اور حلقہ تدریس میں کتب احادیث کا درس دینے اور پڑھانے پر مجبور ہوئے۔ خصوصاً صحیح بخاری شریف کی تعلیم تو لازمی قرار پائی ہے اور کسی بھی اہل حدیث یا غیر اہل حدیث مدارس میں اس وقت تک تعلیمی مراحل کی تکمیل نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ وہاں مکمل صحیح بخاری شریف نہ پڑھائی جائے۔ آج وہ لوگ بھی جو امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی تصنیف پر اعتراضات کرتے تھکتے نہیں وہ بھی اپنے مدارس میں تقریب ختم صحیح بخاری شریف کروانے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ فللہ الحمد

یہ امام بخاری اور ان کی کتاب صحیح بخاری کی زندہ کرامت ہے۔ اللھم زد فزد

لیکن افسوس کہ بعض لوگ خدمت حدیث کی آڑ میں امت مسلمہ کو ذخیرۂ احادیث سے بیگانہ کرنے کی شعوری یا لاشعوری کوشش کر رہے ہیں۔

جناب محترم! ذرا تصور کیجیے کہ اگر وقت بچانے اور سہولت یا آسانی کے لیے یہی روش باقی رہی تو ہم دس بیس سال بعد ذخیرۂ احادیث کے کتنے بڑے حصے سے محروم کر دیئے جائیں گے اور آنے والی نسلوں کے لیے یہ احادیث کسی عجوبہ سے کم نہ ہوں گی۔ آپ کسی کو صحیح بخاری شریف کا حوالہ دیں گے تو وہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا۔ کیوں کہ وہ حدیث اس کے ممدوح کی تیار کردہ صحیح بخاری میں نہیں ہوگی۔ اس کا نام خواہ زبدۃ البخاری

ہو یا مختصر بخاری شریف وغیرہ۔ سب کا نتیجہ ایک جیسا ہی ہوگا۔

جناب محترم! ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے محققین جن کی تان صرف کتب احادیث کا تیاپانچا کرنے پر ٹوٹتی ہے ان کی خدمت میں گزارش کی جائے کہ اس طریقے کی بجائے خدمت حدیث کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ کسی کتاب کی شرح لکھیں۔ درسی کتب پر آسان فہم حواشی تحریر کریں، جس میں ضرورت کے مطابق لغوی تشریح اور موجودہ مسائل کا حل حدیث کی روشنی میں بیان ہو وغیرہ۔ براہِ کرم احادیث رسول ﷺ کو اپنے علمی عُجب کی سان پر نہ چڑھائیں۔ حدیث کا دشمن کل کلاں یہ الزام لگائے گا کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ ان احادیث کی موجودہ دور میں کوئی ضرورت نہیں رہی، یا پھر وہ تحریف کا الزام لگا دے گا۔ لہٰذا اس مسئلے کو پوری قوت سے اٹھانا چاہیے اور اس کے مضمرات سے جماعت کو آگاہ کرنا چاہیے تاکہ بروقت اس کا سد باب کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔ والسلام، طالب دعا

فاروق الرحمٰن یزدانی، مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد

☆............(۳)............☆

تیسرا خط شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کے فرزند گرامی قدر مولانا عبدالحنان جانباز (جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ) کا ملاحظہ فرمایے۔ یہ خط انھوں نے ۲۲ جنوری ۲۰۱۱ء کو ارسال کیا۔ اس خط میں انتہائی خلوص کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

مؤرخ اہل حدیث، شاہسوار اقلیم صحافت محترم جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ہفت روزہ الاعتصام جلد نمبر ۶۳ کا شمارہ نمبر ۲ (۱۴ تا ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء) میں آپ کا مضمون بعنوان ''زبدۃ البخاری یا انکار البخاری'' دیکھا۔

پڑھ کر حیرانی بھی ہوئی، خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا۔

حیرانی اس لیے ہوئی کہ ہمارے دینی جامعات ومدارس کے شیوخ الحدیث اور مدرسین ایک عرصے سے کھلا چور دروازہ ''دو سالہ درسِ نظامی نصاب'' کیوں نہ دیکھ پائے اور اس کی نشان دہی نہ کر سکے، جس کی ہمارے اخبارات اور جرائد ورسائل میں اشتہارات کے ذریعے مسلسل تشہیر ہو رہی تھی۔ یقیناً سبھی لوگ مصلحت کا شکار ہوئے ہیں۔ بعض کا خیال ہوگا کہ ہماری کون سنے گا۔ کسی نے سوچا ہوگا کہ ہمیں برا بننے کی کیا ضرورت ہے یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی نے اسے سنجیدگی سے لیا ہی نہیں، جس بنا پر یہ آکاس بیل منڈھے چڑھنی شروع ہوگئی۔ خوشی اس لیے ہوئی کہ ہمیشہ کی طرح آپ نے ہی جرنیل اور سپہ سالار کا کردار ادا کیا۔ شریر طائفوں نے جب جب سر اٹھایا، ان کی سرکوبی کے لیے آپ ہی ہمیشہ مستعد رہے۔ آپ نے بگل بجایا اور خوب بجایا۔ آپ کے قلم کی کاٹ اس قدر شدید ہے کہ ایسے گرگ طائفے دوبارہ حوصلہ نہیں کریں گے۔ ان شاء اللہ

آپ کا تنہا میدان میں نکل کھڑا ہونا بجا طور سلف صالحین کی یاد تازہ کرتا ہے۔ مسلک حق اہل حدیث سے وابستہ خواص وعوام آپ کو غلط قوتوں کے خلاف ایک جرنیل اور سپہ سالار کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔

افسوس اس لیے ہوا کہ کچھ عاقبت نااندیشوں نے کیسے یہ فیصلہ کرلیا کہ ''شارٹ کٹ'' بھی کامیابی کا راستہ ہوسکتا ہے۔ یہ چور دروازہ ہے جو سراسر دھوکا اور بد دیانتی ہے۔ دو یا تین سالہ درس نظامی کورس کے روح رواں یہ کیوں خیال کرنے لگے کہ وہ ناقص کو کامل بنا سکتے ہیں۔ ایسی سوچ یا ایسی سوچ کی حوصلہ افزائی سے کس قدر خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ یہ سوچتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مختصر یہ یا شارٹ کٹیہ طائفہ دراصل ناقص العلم ذہنیت کی پیداوار ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہوا کہ کوئی کثیر الاولاد ایک کے سوا باقی بچوں کو اس لیے ختم کردے کہ دیکھنے میں ایک سے ہی لگتے ہیں۔

محترم ذی وقار جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب آپ نے ماشاء اللہ جس طرح بخاری شریف اور احادیث نبوی ﷺ کا دفاع کیا، اللہ تعالیٰ اسے آپ کے لیے ذریعہ نجات بنائے، آمین۔ والسلام، عبدالحنان جانباز، جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ (سیالکوٹ)

یایها الذین امنوا صلو اعلیه وسلموا تسلیما

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ دشمنوں کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی

سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں

سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

(ماہرالقادری)